



مولانا آزاد لائبریری



مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ڈاکٹر رام بابو سکسینہ کلکشن  
(عظیمہ: مسز افتاب سکسینہ)

U 32700  
title - Hayat Javedani Maroof Ba Hayat  
Tasleem kamil.

creator - Kameel Uddin Ashh.

Publisher - Urdu Press (Aligarh)

Date - 1911

Pages - 96

Subject - Tasleem Lucknavi, Sheikh Amee  
Ullah - Saumneh-o-Tangved,  
Saumneh-o-Tangved - Tasleem  
Lucknavi



# حیاتِ جاویدنی

## معروف بچاۓ تسلیم کامل

یعنی  
ملک الشعرا چرخ خاندان مومن و تسلیم جناب شیخ امیر الدین مرحوم تسلیم  
لکھنؤ کی نسل اور با تصویر سوانح عمری جسکو بعد از تسلیم و تسلیم بچاۓ تسلیم  
مطبوعہ لاہور جناب مولانا مولوی فیصل الدین احمد صاحب تحریک تسلیم گیت  
تسلیم جناب تسلیم نے تالیف فرمایا

اور  
سید فضل الحسن حسرت موہانی - بی۔ اے ایڈیٹر اردوئے معلیٰ نے

# آپ دُور سے علی گڑھ میں چھاپا اور شایع کیا

قیمت نمونہ (۲۰ کاتب نمونہ منظور الحق کو لوی غنی غنم) ہر صحت محصولہ ایک

## تصانیف مولانا عرش مدظلہ

۱۔ دیوان نظم و نثر کا مجموعہ بہار ہے۔ بعض قصیدہ شروکات و رشک جہیں جلالتِ اقسام کی نظمیں موجود ہیں۔ اور ہر کتاب میں غرض علیٰ الفیس خلف انیس۔ مرزا جعفر صاحب اور ج خلف دبیر۔ علامہ حضرت تمشاد۔ حضرت امیر مینائی۔ دارغ۔ ملک الشعراء شمیم وغیرہ نے اپنی تعریفوں و تائیدوں میں لکھا ہے کہ یہ کتاب کاغذ زبان پورب کی بوباس پاک ہو۔ نازک جانی۔ بلند پروازی و روانگری میں اپنی نظیر عرصہ سترہ ہجری و تیار کی اور مغرب مطبع کو اس کا حق تصنیف دیا جاسکتا ہے۔

۲۔ بارگاہِ سلطانی۔ اگر وہ اور دہلی کی مفصل تاریخ۔ اس کی تحریر کسی وادہ ضابطہ کی کتاب ہے۔ کم نہیں بلکہ دروانگری میں بھی ہوئی ہے شاید اس اب رنگ کی صحیح تاریخ اردو زبان میں اس وقت تک مطبوع نہیں ہوئی ہے زیادہ طول نہیں اس کا مطالعہ بشروط صدر طے ہو سکتا ہے صاحبان مطبع ان نا در کتابوں کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔

۳۔ سید صلاح الدین احمد خلف حضرت عرش۔ گیا معروف فتح امیر مینائی مرحوم کی سوانح عمری دارغ و امیر کے کلام کا موازنہ اور امیر مرحوم کے مکتوبات جس کا تاریخ نام خطوط منشی امیر احمد ہے مولوی محمد امین اللہ خاں نے تالیف فرما کے پہلے ایڈیشن کا حق طبع راقم کو عطا کیا ہے۔

۴۔ کتاب کاظم۔ ۱۲ صفحات سے زیادہ ہے اور شرف میں امیر مرحوم کی عکس و انصونی لگائی گئی ہے قیمت علاوہ محصول ڈاک غیر ایک روپہ آٹھ آنہ اس مجموعہ کی مولانا شبلی مولانا حالی مولوی سید علیہ صاحب بلابلہائی نظم کہنوسی۔ شاد و عظیم آبادی امیر احمد صفا علی اور حسرت موہانی وغیرہ نے بہت کچھ تعریف کی ہے۔ کتاب کے آخر میں ان لوگوں کی تعریفیں سجائے خود قابل دید ہیں۔

۵۔ شکت بلگرامی۔ بواسطت ایڈیٹر اردو میعلیٰ علی گڑھ شکتی



یادگار مومن و نسیم منشی امیرالک صاحب تسلیم لکھنوی (مرحوم)

*Block by the courtesy of  
The Editor, "Adeeb," Allahabad.*

Indian Press, Allahabad.



## بسم اللہ الرحمن الرحیم

### تمت

تو کہاں جاے گی کچھ پناہ کا نہ ملے ہم تو کل خوابِ ہم میں شبنم بچاں ہو گئے  
وہ مبارک رات جس کی دلکش محفل کے فوٹن پر شاہِ حاتم - درو - موتن و شبنم سے اساتذہ  
جلوہ افروز تھے گزری تھی - صبح کے آثار ظاہر ہو گئے - لو وہ تارے ہی جوانی اکھوں سے  
اس پر لطفِ لطاف سے کو دیکھ چکے ہیں ذرا دیر پہلے تک تھے اب وہ ہی ڈھونڈنے پر کہیں  
نظر نہیں آتے - ہاں ایک جھللائے لالی شمعِ ابدی اس پر شمعِ فوٹن پر باقی ہے اور اس ازار  
رہنے والی کو شبنم کے فدا کرنے والے جو کے گھر سے ہو کے ہیں شاید کوئی دم میں  
پہنچی ہو مے مٹے تینگوں کو روپیٹ کر رخصت ہو جائے - اس سناٹے کے وقت میں  
گرا کا تم غم کر چاتی بیٹیا ہی صدمہ جانکاہ اور ماتم سے کم نہیں -

ناظرین - صبح کا وقت سیرِ باغ کے لیے قدرتی طور پر موزوں ہے - آؤ ہم بھی بیٹیا  
رنگم کی سیر کریں - دیکھو تو سسی سرور کیوں عالمِ حجب میں کہہ رہے سنبھل کو پیر سے تھابت تو  
اس کو حیرت - گلوں کو چاک دامانی کا قہقہہ - پتے ہر شجر کے کھنکھارے افسوس مل رہے  
ہیں - ولایتی بچوں سے مخفہ جن بہرا پڑا ہے - مگر نہ کہیں نام کو بوسے نہ باس - شبنم  
لگ رہی ہے - مرغابنِ سحر کی صورت پر گہرا مہل نمایاں - فوٹے ہیں کہ رہ رہ کر  
ایسا سزدیں پر پٹکتے ہیں - بستر کا دامنِ بکیم روح پرور سے خالی - بچیں خریب اس  
کشورِ لیش میں ایک طرف چپ کر اہو کہ ان بچوں کو آخر جگر کریں تو کیا کریں جینا  
نہیں ادا کے کام کا نہیں ہائے غالب -  
جب کہاں کچھ لالہ او گل میں نمایاں ہوئیں خاک میں کیسا صورتیں ہو گئی کہ نہیں گھولیں



اسے فدایان رنگ بوسن و سیم و ہللا نے والی شیخ اور وہ گلچیں حبکو آب ایس  
 سیانے والی محفل اور قریب و لے بان نہیں دیکھ سکے ہیں اس دور آخر میں استاد  
 قسیم کی ذات ہی لاریب کہ دتی مرحوم کے مزارین کا چرخ اسب آپ ہی کے دم  
 سے روشن ہے۔ گو ذات سرا یا صفات پر بوجہ سکونت لکنہ کو ناز ہے مگر شاہی کے  
 وطن ہونے کا شرف مرحوم دلی ہی کو حاصل ہوا۔ ہاے دلی۔ جو ملک سے  
 خاک اڑتی تھی مزار غالب و جگر پر رنج کیا کیا جسے گئی دلی کی ویرانی مجھ  
 کو قبل تلمذ ہی زمانہ قیام نہارس و مزار پور میں میرا یہ خیال تھا کہ استاد تسلیم کی سوانح کو  
 لکھوں مگر مکرہات اور فکر معیشت کی الجھنوں سے موقع نہیں دیا مگر شرف تلمذ حاصل ہوئے  
 بعد شمس محمد الدین فوق سابق اڈیٹر پیچہ نوآد لاہور کی تحریک سے ایک کتاب موسوم  
 بہ حیات تسلیم مرتب کی اور حق تالیف ہی فوق صاحب کو بہرہ کر دیا۔ پھر ہی مقدر کی خوبی  
 کہ وہ کتاب ملے تعاقبی اور تحریری غلطیوں سے بھری ہوئی مطبوع ہوئی اور کتاب نے  
 اور ہی غارت کر ڈالا۔ جس کا اعتراف جاے اختتام کتاب پر فوق صاحب نے ارادہ  
 انصاف خود کیا ہے۔ مگر پھر ہی اس لحاظ سے وہ کتاب واجب التعمیم ہو گئی کہ اس  
 میں عمر صد سال کا پہلا نو استاد تسلیم کا چہرہ اور ہر ادنیٰ و اعلیٰ کو اول اول کی ذریعہ سی  
 شرف زیارت حاصل ہوا۔ سوانح عمری کے لحاظ سے یہ پہلی کتاب ہندوستان پر  
 قرار پائی۔ اسکے پہلے کوئی بیسٹ تذکرہ استاد تسلیم کا کسی جگہ موجود نہ تھا۔ بالخصوص شمس  
 سجاد حسین صاحب اڈیٹر اودہ بیچ لکنو اور سید ابن علی صاحب اڈیٹر اعظم مراد آباد  
 وغیرہ نے نہایت فاضلانہ طولانی ردو اپنے پرچوں میں نہ کر کے یہ ثابت کیا کہ یہ کتاب  
 بلحاظ عبارت ہی آبجیات مولفہ شمس العلما آزاد ہلوی کا اک حصہ ہی وغیرہ وغیرہ  
 میں دیو اب موسوم مصنفہ جناب تسلیم صاحب مطبع کی تحریک سے استاد تسلیم  
 کا جدید فوٹو چھپکر پیش ہوا اور عیش صاحب نے یہ ثابت کیا کہ نقاش نقش ثانی بہر کشد  
 زاول ہے۔ حالانکہ یہ نقش ہی نقاش کا خاکہ ہی حبکو غریب میں اول اول میری حد سے

استاد تسلیم نے مراد آباد جا کر تیار کر لیا تھا۔ اس دیوان میں جناب شہزادہ صادق یادگار شہزادہ  
جیادہ لوی تسلیم رامپور نے باوجود منع کرنے جناب تسلیم کے کچھ عبارت بطور سوانح عمری  
لکھی تھی۔ اس نسخہ زلی دشوار میں میر سے ہی نقش قدم نے صادق صاحب کو حضراہ کا کام  
دیا ہے۔ اگر آپ نے ملکی قدر دانی اور مقبولیت کے خلاف ہزار سال بعد اس کا شکر یوں ادا  
فرمایا کہ اگرچہ منشی ضیاء الدین احمد صاحب عرش تلمذ تسلیم نے ایک رسالہ جہات تسلیم  
نامی لکھا ہے لیکن طرز بیان انہیں مطلب میں کچھ ایسی پیچیدگیاں اور غیر متعلق واقعات  
کچھ اس کثرت سے بچ ہیں کہ جن کی وجہ سے رسالہ مذکور کو فی نتائج میں سوانح عمری  
کے ذیل میں جگہ ملنا مشکل ہے اس لئے اس کا عدم وجود بردار ہے۔

مجاہد جہاد اللہ یاد صاحب اووہ پنج کے اس جملہ کا غالباً جواب ہے کہ رجحان  
تسلیم لکھنؤ عین نے ملک پر یہ ثابت کر دیا کہ اگر کوئی مشاہیر کی حالت لکھے تو اس طرح  
لکھے وغیرہ

اب دیکھئے کہ جہات تسلیم پر صادق صاحب کیا گفتگونی کرتے ہیں۔  
اگر مولانا حضرت اذین اردو کے معلم نے حسب وعدہ اس کتاب کو بصحت تمام چھپوا کر  
شائع کر دیا تو مجھے منصف مزاجوں سے بڑی توقع داد کی ہو اور شاید ناظرین اس سے  
زیادہ اچھی سوانح عمری جناب تسلیم کی کوئی اور نہ پائیں گے۔ اس کے ضمن میں اکثر مفید  
اور دلکش واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں جو ملکی نفع سے خالی نہیں۔ مجھے تو قہر ہے  
کہ جناب نواب مصطفیٰ علی خاں صاحب ہر اسویٹ سکریٹری نواب صاحب بہادر رامپور  
ہی اسکو اپنے ملاحظہ کا شرف بخش کر سرکار رامپور میں پیش کر دیں گے۔ کہ اس وجہ پر  
عدم تسلیم کی عزت افزائی ہو۔ و با اللہ تعالیٰ

کشف بردار تسلیم عرش مقیم گیا۔

۴  
 مد جس وقت کا تب ازل نے دفتر کن کے اس صفحہ پر خامہ فرمائی شروع کی تھی جو  
 شعر نے زبان اردو کے لیے مخصوص تھا تو شجرہ شاہ حاتم کے آخر میں شیخ امیر اللہ تسلیم  
 کا نام ہی آپ در سے رقم کر دیا تھا یہی باعث ہوا کہ آپ کی ذات مقطع خاندان امام الشعر  
 حاتم ہوئی۔

مکمل بند یا ریغ مضامین حکیم مومن خان صاحب جن کے گلمائے فکر کی بہار مرحوم اصغر علی  
 خاں نسیم کی سلامت روی سے زیادہ نمایاں ہوئی ہر طرح قدم لینے کے لائق تھے جنکے  
 یادگار اثرات یعنی جناب تسلیم کی طبیعت کے آب و رنگ کا جو آپ کج چمنستان عالم  
 میں چرائے لیکر ہی ڈھونڈتے تھے سے کہیں نظر نہیں آتا سچ تو یوں ہے۔ تسلیم  
 ہو اگر کی ہی زینت غیب سے لیکن اجوگی سدا شبنم دہو لادیتی ہو مٹے گلمائے خندان

## ولادت نام۔ وطن شریف خاندانی

سعد ولادت آپ کو یاد نہیں۔ مگر فرماتے ہیں کہ اپنی والدہ سے سنایا کہ پیدائش میری  
 اسی سال ہوئی جب غازی الہدین حیدر کو اچھا رات شاہی انگریزوں نے عطا کیے۔  
 غازی الہدین حیدر و نصیر الدین حیدر نے دس دس سال اور محمد علی شاہ اور احمد علی شاہ  
 نے پانچ پانچ سال شاہی کی بعد ازاں واحد علی شاہ کا زمانہ آیا اور سلسلہ کے خاتمے  
 اپنی بہیشت ناک صورت دکھلائی۔

نام آپ کا احمد حسین اور عرف امیر اللہ اور مخلف تسلیم ہے۔ امیر اللہ آپ کے والد  
 کے پیر مولوی عماد اللہ صاحب کا عطیہ نام ہے اور اسی نام سے آپ کا نام عالم میں روشن  
 ہے۔ ولادت آپ کی انگلیسی تاریخ فیض آباد اودہ میں ہوئی۔ آپ کے وطن پیر کا  
 شرف پذیر ہے۔ اس لئے عرف بدوست امضا فاقہ دریا آباد کو حاصل ہے مصیبت و شکر  
 وطن ہوئی۔ آپ کے والد کا اہم شریف مولوی عبد الصمد صاحب تھا وہ زمینداروں  
 کی بالضا مبی کیا کرتے تھے اور حسن پور۔ ہاتھ پور دو گاؤں ہی رکھتے تھے محتاج ملازمت  
 نہ تھے۔ آپ کے بڑے بھائی مولوی عبداللطیف ہی کا روبرو آیا فی میں مضر و

تھے ہمدانی وقت کہ ناظم دریا آباد کے گیارہ ہزار روپیہ کے ضمانتی بقایا کے عوض آپ کے والد اور بہائی بدرجہ آخر قید ہوئے۔ شاید سفر سے تکلیف زنداں کہ نہتی آپ کے دادا صاحب یعنی شیخ امان اللہ تاب نہ لاسکے جملہ اسباب تک فروخت کر ڈالا اور دونوں مواضعات رام سنگھ قوم پندلیہ کے پاس کر کے رہنما آباد کر دیا اور بیٹے پوتے دونوں کو قید سے چھوڑایا۔ جہاں شاہی کرچکے تھے گداؤ کی طرح کرتے۔ رعیت ہنگام ہوہنگاؤں میں رہنا گوارا نہوا۔ بدوسرا کو ترک کر کے چندے فیض آباد میں قیام کیا مگر اس وقت کا فیض آباد اس لائق نہ تھا کہ وہاں کوئی صورت معاش نکالی جاتی آخر لکنئو چلے آئے اور محمد محمد علی شاہ بادشاہ میں آپ نے حصول اعزاز کے لحاظ سے قدیم ہندوگوں کی وضع کے مطابق ملازمت سپہگری کے طرف رخ کیا رخدا موم غالب کو جو از رحمت میں جگہ تھے وہ بھی تادم مرگ ہی پر نازاں رہی فرماتے ہیں

سو پشت سے بی بیٹہ آبا سپہگری کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے اور عمدہ اوشداری تک پہنچے اس زمانے میں اوشدار پانسو سپاہیوں کا افسر ہوتا تھا تیس روپیہ ماہوار آپ کو ملا کرتے تھے کسی طرح سفید پوشی کے بٹہ کی صورت ہی ورنہ کہوئے ہوئے آرام کا ملنا تو خواب و خیال میں ہی ممکن نہ تھا۔ ہاں کچھ ہونو قریب سلطانی مہاشن ضرور حاصل تھا۔ اسی زمانہ کو یاد کر کے آج حضرت تسلیم یوں نالاں ہیں آہ سے اب تو اسے تسلیم میں پامال پہنچو ذریعہ کیا کریں ہم اعتبار خاندانی پر مکتبڑ ایک جگہ اور ارشاد فرماتے ہیں کہ

نازائنا تاجوں کس ونا کس کے تسلیم اب کہاں اگلا نچ میر زایانہ مرا

## حالت تعلیم اور ملازمت

آپ نے فاضل کی ساری ابتدائی اور ثانوی کتابیں اپنے والد عبدالصمد مولوی شہاب الدین مغفور شاگرد و مرزا ناظم نکرانی سے اور عربی کی کتابیں اپنے بڑے بھائی مولوی عبداللطیف سے کہ فاضل جلیل القدر مولانا مولوی محمد ولی اللہ صاحب

مغفور کے شاگرد تھے۔ یہ وہ شاہ ولی اللہ صاحب نہیں ہیں جن کا ذکر حیات تسلیم مطبوعہ  
 لاہور میں غلطی سے کیا گیا ہے۔ وہ ایک درویش باکمال بھراچی فقیر تھے۔ استاد تسلیم نے عقیدت  
 کی راہ سے ان کے وصال کی تاریخ و برج کلیات کی کئی تعلیم عویہ کی بابت لکھتے ہیں داؤ  
 گرامی نامہ تسلیم جناب مولوی عبد الاحد صاحب شمشاد فزنی محلی لکھنؤی کے بزرگوں کے  
 فیض سے مجھے چار حرف آئے ہیں کیونکہ میرے والد اور بہائی ان کے بزرگوں کے کفش  
 بردار تھے اور میں ان لوگوں کا۔ حضرت شمشاد کو میں باوجود کیر سنی کے محذوم و مکرم  
 جانتا ہوں یہ

استاد تسلیم کی دستگاہ عربی و فارسی نہایت قابلیت اور فاضلانہ تھی۔ اور درس تدبیر سے  
 بھی دورانِ طاعت راہبوں میں خاص تعلق رہا ہے۔ تحصیل علم کا شوق یہاں تک بڑھا کہ عربی کی  
 مجلس راہبوں میں مولوی سلامت اللہ صاحب سے کی یہی بزرگانِ قدیم کی اک شان تھی  
 فنِ خوشنویسی میں آپ منشی عبدالحی صاحب مندیلو سے تھے کہ آپ کے والد کے بڑے سے  
 دوست تھے۔ تعلیم حاصل ہی انہی عہد کی خوشنویسی کو آپ فرماتے ہیں کہ سہ

اب کہاں تسلیم قدیر خوشنویسی دہر میں ہنر فی کے بکتے تھے اگاہ سہ بازار حرف  
 مطبع کو انکسور کی طاعت مست آئی بنیاد پر مبنی اور صریح طور پر کتابت کلیات امیر اللہ تسلیم اسکی  
 شاہد ہیں کہ ہمارے دیرینہ مکرم منشی دعا علی شمس لکھنوی، بادشاہ میر سے جو ابی چند سال  
 قبل تک زندہ تھے تقریباً میں بچوں ظاہر کیا ہے کہ دربارِ شمس تمام و تنقیح بالاکلام خط خاص  
 منصفِ علام طبع ہو کر مطبوعہ طابع عشاق انام و پسندیدہ کا فدا خاص و عام ہوا  
 فنِ شاعری کے جامع رموز سخن کی تکمیل کو اس صغیر علی خاں تسلیم بھلوی شاگردِ موتی

کی یہ اس زمانے میں دلی کو چھوڑ کر لکھنؤ میں تشریف رکھتے تھے اور آپ کے بہائی منشی  
 عبد الحلیم کے دوستوں میں تھے یہی وجہ ان سے اصلاح لینے کی یہی ہوئی۔  
 آپ کی شاعری کا سلسلہ شاہِ عالم تک اس طرح ملتے ہے تسلیم شاگردِ تسلیم۔ تسلیم شاگردِ موتی  
 موتی شاگردِ شاہ نصیر۔ نصیر شاگردِ شاہ نجمی مائل۔ مائل شاگردِ قیام الدین قائم۔ قائم  
 شاگردِ مرزا رفیع سودا اور در عبد الحمید الرحمۃ۔ سودا شاگردِ ابام الشیر شاہ قائم۔ ذوق سخن

آپ کو صغیر سنی میں پلٹن والوں کی صحبت سے بچاؤ کہ وہاں اکثر اپنے والد صاحب کے ہمراہ  
 چلے جایا کرتے تھے۔ ابتدائی اشعار کا نمونہ جن دنوں آپ خود کہتے اور اس کا جزا اٹھاتے  
 تھے خد میں تلف ہو گیا البتہ یہ دو ایک شعر اب تک آپ کو یاد ہیں۔ قیسم  
 کاوش تقدیر ہو تو خاک ہی ملتی نہیں رہ گیا سر گشتہ مجنوں گرد و حمل دیکھ کر  
 اگر بیٹھا نہیں تک کر کسی کے نعل ماتم پر عواکی بوجھے آئی ہی کیوں بال کوتر سے  
 دنیا کی روش کے مطابق زمانہ صغیر سنی میں آپ کی پرورش اپنے بزرگوں میں ہوئی۔ ہوش  
 سنبھالنے اور تعلیم پانے کا وقت لکھنؤ میں آیا پس آپ کم عمری میں اپنے والد کے ہمراہ  
 پلٹن میں آنے چلے گئے سبب سے پہلے سپاہیوں میں نام زد بھی ہو گئے۔ لایق  
 بجا آوری ملازمت نہ تھی مگر شای زمانہ تھا تخواہ بغیر خدمت مل جا یا کرتی تھی خداوند عالم نے  
 دنیا کا ہر کام اپنے وقت پر مقرر کر رکھا ہے۔ جب آپ کے باریع شباب کا سفرہ نسیم بہار وقت  
 سے ہرا ہوا آپ کے والد کے باریع عمر میں نغز اگلی صنعت بیت بڑھ گیا۔ خدمت کے  
 لایق نہ رہے یہاں تک کہ بادشاہ کے حضور میں اس مضمون کی عرضی گزارائی کہ خانہ زاد  
 پر سبب پیرانہ سالی و علالت قابل بجا آوری خدمت نہ رہا۔ امیدوار ہوں کہ میرا لڑکا  
 جسے محمد امیر اللہ کہنو جوان اور پڑھا لکھا ہے میری نوکری پر جو حنی مقرر کیا جائے۔ محمد علی شاہ  
 بادشاہ نے دست خاص سے یہ حکم لکھا کہ (موافق سوال سال مکمل آئند) چنانچہ آپ  
 دفتر سلطانی میں آپ کا نام بعد از اشداری درج کر دیا گیا اور وہی تیس روپیہ ماہوار جو آپ  
 والد کو ملا کرتے تھے اب آپ کو ملنے لگے عہد قدیم کی حق شناسی سے ظاہر کہ زمانہ موجود  
 یہ باتیں ہندوستانی ریاستوں میں ہی گویا نہ تھیں۔ نیا دربار اور نئے درباری نظر  
 آتے ہیں۔ یہی وہ زمانہ ہے جب لکھنؤ میں مستقل طور پر رہ کر نسیم جنت بیگم سے نکول  
 فن کی اور ہر وقت بادہ سخن کا جام منہ سے لگا رہا قریب قریب یہی وہ وقت تھا  
 جس کی بابت لکھتے ہیں (گرامی نامہ نسیم) مجھی مشفق زاد غنائیکم بعد سلام و دنیا کے  
 مظہرہ عاہوں سبب طرح خیریت ہی آپ کی آمد رشتی ایندو تعلقے سے چاہتیا ہوں۔  
 عنایت نامہ آیا خوش ہوا۔ اگلے شعر کی حالت کینا لکھوں میں نے ناسخ و آئش

کو دیکھا ہی گرفت میں لائن کی خدمت میں حاضر ہونے کی لیاقت نہیں کتا تھا بلکہ سال جو  
 محلہ چوک میں بنے ناسخ وہیں رہتے تھے صبح و شام یہاں پر آ بیٹھتے تھے چوٹے پچوٹے  
 ہنسی دل لگی کر کے کچھ سودا کھانے پینے کا دوا کر کرے میں جا بیٹھتے تھے۔ پھر شاگردوں  
 سے یا اور اجباب سے صحبت رکھتے تھے۔ اور انکس مرحوم کو بھی بہت دیکھا جس محلہ  
 میں رہتا تھا اسی محلہ میں وہ تھے۔ ان کے بیٹے جو تئیں سے ہی ملاقات تھی کیا کہیں وہ  
 کیا زمانا تھا۔ بکھر ٹنکت۔ اسیر۔ صبا۔ سحر۔ وزیر۔ قبول۔ قرق۔ نشتر۔ وغیرہ جسے ہی ملاقات  
 تھی مگر نہ ایسی کہ ان کے حالات کمالات سے بہرہ مند ہوتا۔ ان کے بعد میٹر۔ جلال افغ  
 جالنا صاحب۔ امیر۔ دماغ۔ ہندی وغیرہ ان صاحبوں سے راہپور کی ملازمت کی وجہ  
 سے ملاقات تھی مگر آنا جانا تھا۔ مگر کوئی اصل کسی طرح کا نہیں معلوم ہوا اور یہ سب ہی محکمے  
 ان کے ملنے والوں میں حضرت جلال یا افغ۔ زندہ ہیں یا ان کا کشت بردار یہ فقیر حفیر  
 میر کے عقیدے میں یہ سب اپنے فتنہ پرے کامل تھے اور نہایت مشاق انکا ہم پائے اس  
 زمانہ میں کسی کو نہیں پاتا۔ نکات فن اور تحقیق میں نہایت بہرہ یاب تھے اور زیادہ کیا لکھو  
 مولانا فطیم حسن شوق نبوی دماغ تھے گئے۔ ان کے انتقال کو سنکر برا صدمہ ہوا۔ مگر  
 سوائے صبر و دعاے خیر کیا چارہ رہے۔ ہمارا ہاں رفتہ و مانہ براہ مسفریم۔ رقیہ نیاز  
 محمد امیر اللہ سلیم ازراہپور ۲۲ شوال ۱۳۸۳ ہائے غالب سے  
 کوئی میرے دل سے پوچھے میرے نکلیں گے یہ غلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا  
 جس کی آنکھوں کے سامنے ایسی یہی بولتی ہوئی تصویریں غائب ہو گئی تھیں اس کے  
 دل و دماغ کو کیا پوچھتے ہو۔ آفریں اس ذوق پر کہ اب تک کچھ نہ کچھ فرما ہی لیتے ہیں  
 مگر کہاں وہ جھپٹیں اور کہاں کیٹیوں کے جلنے خود فرماتے ہیں۔  
 مسخر اپن سے مال شاعری سلیم اب۔ یہ دماغ لگو لگو اے خدا اس میں کس  
 تو ہی بتلا کیا کہ میں سلیم اسی بزم میں جس میں سب ساد ہوں و نکتہ دکن کوئی  
 خوض اپنے والد کے زمانہ پرانہ سالی سے ان کے انتقال تک آپ برابر فرایض  
 اوشنداری ادا کرتے رہے۔ اتفاق وقت کہ نواک کی عدم حفاظت کے باعث





ہیں است بس عجائی نہا کہ دارم دعا کو روز با بود پای پر کار تا در سفر بود نظر ما ہر مرکز مقصد  
 صد در توبا و دیگر دوش با محب تو اور دبا را حکام بخوار سر کار علی بن ابی طالب جو خستہ تسلیم خاک خراب

### قصیدہ

کس طرح نہ دل تڑپے رکنا بکی برابر  
 نا کامی قسمت سے ہی محکوم نہ گرد  
 تدبیر سو شام کو ہوتی ہے دگرگوں  
 نام میری تدبیر ہے تقدیر سے ایسی  
 روزگار میں قسمت کو کہ رہتا ہے ہمیشہ  
 آرام بند نہیں دم بھر تہہ گردوں  
 اللہ سے گزشتہ نصیبی کہ شب و روز  
 کیا کیا نہیں خوں گشتہ تنہا میں گیسر  
 آنسو بھی خفا میں جو خفا بخت ہی جیسے  
 دشوار سے جنت صفت نقش کف پا  
 کچھ نہ کہ چھپا ہے ہوئے جانی ہی عدم کو  
 عالم پر مرے داغ ہو گلزار بیچ کر  
 پر شاخ نصیبوں سے میری تیر کی کھا  
 ہلتی نہیں دم بھر دل بالوں سے تیر  
 دود جگر کی سے نظر آتا ہی جہاں ر  
 پروانہ نہیں سوز جگر کی نہ عدو کو  
 قادر ہی دوراں سے نہیں بات کے قابل  
 لیکن مجھے بااں بہر ہر دیکھیں  
 کہتا ہوں کوئی علم نہیں حامی ہی لگا  
 واجد علی آفاق میں کامل صفت ماہ

ہر دم ہے دم خنجر زراں کی برابر  
 ہر روز تہا شیب ہجران کی برابر  
 کیا کیا ہیں کرم گردش دوراں کی برابر  
 حسب طرح شیاں ہمایاں کے برابر  
 گرداب کیم گریہ گریباں کی برابر  
 چکر ہے چکر گردش دوراں کی برابر  
 برباد ہوں میں گردیاں کی برابر  
 سینہ میں میرا گنج شہیدان کی برابر  
 رک جائے ہیں اگر سرخ گانگی برابر  
 گہر صف سے ہی گوشہ زندان کی برابر  
 امید مری عمر گزراں کی برابر  
 ٹھہروں جو کبھی میں گل خنداں کی برابر  
 ہر غنچہ گل ہو مجھے پیکان کی برابر  
 حشر سے تجھو داغ عزیزان کی برابر  
 ہے صبح وطن شام غربان کی برابر  
 جلتا ہوں چراغ شب حرماں کی برابر  
 پر خند کہ ہوں ناظم سردان کی برابر  
 ہر مشکل دشوار ہے کس کی برابر  
 جہم مرتبہ شکوت میں سلیمان کی برابر  
 جیتل جہاں ہر درخشاں کی برابر

ہا مشعر ملاحو مٹھیسے رسے بزار  
 قوت وہ عاجز ہوا اگر او کی حمایت  
 دانش میں فراست میں فلاطون  
 کس طرح بیان ہو کفایت کا فائدہ  
 افلاس کا لیتا نہیں دنیا میں کمی کی نام  
 احسان و کرم میں کم و فیض سوا اسکے  
 حال غریب پر یہ ترجم ہے کہ جیسے  
 دل نشادور عایا ہی بیان تک کہ شب و  
 کیا خوف سیاست ہی کہ کھلی بھی نہ کر  
 عالم میں بہادر کہی اب نہیں آیا  
 قوت میں شجاعت میں فن تیغی میں  
 پانچے صفت اعدا میں ہر کام و غایت  
 حاسد کو اگر چاہے گرفتار جرات  
 کی دہرہ دشوکت ہی کہ باایں ہمہ غفلت  
 کیا خاک لکھوں قصر معلے کی میں تعزیر  
 چیریل زل زل زل زل زل زل زل زل  
 نقش بزرگ گل تر تازہ و رنگیں  
 کیونکہ مجھے خیر و نقد پر رانی  
 گر وہ کھٹے شربت و زردان جائی جگر سے  
 میرا ہی وہ رہنم ہی کہ پڑتا ہوں قصید  
 کیا جن خدا وادہ دیکھے جو کج سوس  
 جب کینے پیشانی و خسار میں روشن  
 انسان و پری کیوں نکلیں حلقہ گوشتی

دارا کو نہ سمجھوں کہی دربار  
 رو بہا بھی ہو شیر نشینا کی برابر  
 دونوں میں یہاں طفل کہتا کی برابر  
 عالم میں گہر رہنے سے سیاسی کے برابر  
 مفلس ہے غنی فیصد و خفا کی برابر  
 ہر مور کو دعویٰ ہی سلیمان کی برابر  
 سیکس جم کوئی رحمت نہ دانی کی برابر  
 رعتی میں دعائیں نختہ کی برابر  
 چنگی نہ کہی خرمن و ہتھال کی برابر  
 دیکھتے ہیں ورق و قدر و رانی کی برابر  
 رستم کی فزوں سام و زرعانے کی برابر  
 دریا مور و ان خون کا طوفان کی برابر  
 تین پر سر مو ہو سر پکیاں کی برابر  
 فقور نہ مینے کہی دریاں کی برابر  
 رعبت میں ہر اک قدرہ ہی کہ کھو گیا  
 پہونچے نہ بھی جسے ایوان کی برابر  
 ہر سخن مکان گلشن رضوان کی برابر  
 ثابت ہی کہ میں ان ہوں کتا کی برابر  
 وصال سہ قبلہ و ایساں کی برابر  
 سلطان اولی الامام جاناں کی برابر  
 کلمہ پڑے ہر گہر سلیمان کی برابر  
 ذرات مہ و خوشاں کی برابر  
 فرمان ہے توین سلیمان کی برابر

خطبہ میں پڑھا جائے اگر نام نہ اوسکا  
تسلیم کیا تک ہوں مدح سرائی  
ہنگام دعا تھا سے دنیا نہیں اچھا  
جب تک مدح و شہید الہی رہیں ستیا  
جب تک مگر شمع نور اں ہے الہی  
اجاب شہنشاہ کی خاطر مہو جاں میں  
حاصل کو کہا نے ملک دشمن آرام

اسلام بھی ہو کیش شیا کی برابر  
مانا کہ رواں طبع ہے عیا کی برابر  
کہہ جا کے در حضرت یزدانی برابر  
بے نقش قدم عالم امکان کی برابر  
دلخ دل پر دانہ سوزاں کی برابر  
ہر شام رخ صبح و شب کی برابر  
صبح سیر شام غریباں کی برابر

دن بھر رہے پروانے کے ماتر پریشاں  
راتوں کو جلے شمع شبستاں کی برابر

شاو جم مرتبہ نے جو خود ماہر فن اور قدروان اہل کمال تھا دست خاص سے عرضی پر  
فرا یہ حکم کیا اور بیت کہہ قدر دانی اور عزت افزائی کی۔  
شہزادے کو شکوئیں وائے خوشگو :- ہر دو فن سے کئی دہر دو کو :- :-  
اسم تو مند راج پر دستر شد :- :- بست و دہ زخم یہ مقبرہ شد :- :-  
استاد تسلیم کی خوش قسمتی سے عمر بھر میں او کو یہی اک موقع آیا تاکہ کہ بغیر خدمت  
تیس روپیہ ماہوار پاکر شرفیاب بارگاہ سلطانی رہے۔ کار متعلقہ کچھ نہ تھا یہاں تک کہ  
برائے خواہ کو بھی خزانہ تک جانا نہ پتا تھا آپ کے بھائی منشی عبداللطیف کے ملازم منشی جانہ شاہ  
نئے سے لیا کرتے تھے۔ مگر جب عذر کی بہت ناک صورت خواب و خیال میں نظر آنے لگی  
تو مصیبت آباد شاہ نے آپ کو اپنے قدیم جگہ اوشداری پر پہر معذور کر دیا اور ان شریعت سلطنت  
اسی ذریعہ سے آپ کو وہی تیس جو خوشتر و زائل تھا ستے رہے آخر رفتہ رفتہ عذر کا اثر برپا  
گیا اور آپ نے بھی گردش تقدیر کے خوف سے یہ سوچ لیا کہ

بہار گری گریوش چو اسے تسلیم اپنے پاؤں کو :- :- از پٹی دو چار دن ہم میمان بکھو  
وہ ہر ابلہ جاں گل سبز و بیگانہ تک نہ تھا نذر خزاں ہو کر آج اپنے سر پر گولوں کی طرح  
خاک اڑ رہا ہے۔ وہ عشرت سرائے سلطانی کی ابھی دیواریں عالم تجھ میں غموش کھڑی

ہیں جس زمین پر قائم و سنجاب کے زرخش تھے وہ اب بحرِ بسترِ خاک کچھ نہیں رہ گئی۔  
 نہ نہیں جھاڑیں نہ فانوس الدنہ شکستہ حال سیدہ چاک چتوں کے شگفت سے ہاتھ کی  
 شعاؤں کا نور جھین جھین کر آ رہا ہے جسیر شمع کی جھلک نے دانی لڑکا دھوکا ہونا ہی دیکھات اور  
 محدرات عصمت سہماں کی جلوہ گاہیں مکڑی کے جالوں اور با بیلوں سے بہری پڑی ہیں۔  
 اہل کمال بھی شبِ قوت کے محتاج ہو کر حجتِ نظیر کہنوں کو ترک کر کے ادھر ادھر کی خاک  
 چھانٹتے پھرتے ہیں۔ نہ مجمع شعراء ہے نہ صحبتِ فضلا جس کشتی پر اسے شیبِ روزگار سوار  
 تھے شکستہ ہو کر دریا میں پڑی ہے اوسکا نا خدا آپ گردابِ بلا میں پھنسا ہے پاپوں کو کہ وہ  
 دوبا جس کے دم سے یہ ساری برائیاں تھی۔ آج مسندِ زرین چھوڑ کر عروسِ گور کے پھونڈی غلامی  
 دم بخود پڑا ہے اوسکا کراہی آپ خبر نہیں۔ نہ اس تاریکی میں کسی چھوٹے آنسو بہانے  
 والی شمع کب کا سہا رہے۔ معاذ اللہ یہ تیرگی روزِ سیاہ اور پھر گور کی اندھیری رات۔ لیجئے  
 خنجر کے اتھول بکھو تباہ ہو گیا شاہِ اودہ کو قیدِ رنگِ حاصل ہوئی۔ ہر غصہ سننا مارے  
 اوستا و تسلیم کے متعلقین نے بھی نفیس آباد کی طرف رخ کیا۔ اور یہ خود ہی ہماری یعقوب خاں  
 صاحب رامپوری کی میدانِ حیدری بلٹن۔ تلاشِ معاش میں رامپور چلے آئے۔ لگو رہا ہو  
 اسوقت وہ رامپور نہ تھا جو ٹھوڑے عرصہ کے بعد ہو گیا صرف آپ کے بڑے بہائی منشئی علی الطیف  
 صاحب بکھنوں میں رہ گئے۔ اس عہد میں رامپور آپ کے لیے ایک مقامِ غیر مانوس تھا۔ نہ کوئی  
 خدادان۔ نہ ہجوم۔ نہ پیمثال۔ یہاں تک کہ چند بے فروختگی آنا نہ سے گزارا کیا اور خانہ خدا کو اپنا  
 گھر جانا۔ کچھ دن بعد مٹی نہال الدین کے یہاں تسلیم اطفال کے لئے جہنم میں یہودیہ ماہوار کے  
 لڑکے ہو گئے۔ دس گیارہ مہینے تک یوں بسر ہوئی سع۔ اسے کمال ابھوسوس۔ بکھنوں کمال انہیں  
 آخر اک روز شدائد تکلیف اور انحرافات سے ننگ آ کر مطابق طریقہ شعرائے سلف چند  
 شعر بطور قصیدہ لکھ کر نواب کلب علی خاں بہادر کے حضور میں آئے یہ اوس زمانہ میں بی عہد  
 ریاست تھے۔ عرض بہرِ ذریعہ اہدِ وقت کا سرکار رامپور میں ہو گیا۔ کچھ مدت کے بعد ان کی صحت  
 پیدا ہوئی زندہ دلوں کے کبھی جان میں جان آئی۔ شعر و شاعری کا ذکر وہ چہرا شاعر سے  
 ہونے لگے۔ اور بہت شغل آپ کے بھی غم غلط کرنے کا ذریعہ ہو گیا یہاں تک کہ اسی وجہ سے

صاحب زادہ بنی خان صاحب بہادر کے یہاں قیام کو جگہ مل گئی۔ زمانہ قیام مسجد کی  
 بولتی ہوئی تصویر کیا اچھی پہنچی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ تسلیہ  
 شکر کی کیا خوب گنتے ہیں میرے لیل نہار :- رنج و راحت دونوں ہیں اس شہر میں جگہ حصول  
 دن کو بے آتش ہی مریض سو گئے مگر رات کو :- گاہ مہمان خدا ہوں گاہ مہمان رسول  
 رامپور کے اسی سفر اول کے موقع پر آپ اپنے بموطن نذا حسین کے اصرار سے اس  
 مشاعرہ میں شریک ہوئے جس کے صدر مقام پر شہزادہ مزارعیم الدین صاحب دہلوی کہ  
 نواب یوسف علی خان بہادر مغفور کے ہمنشین تھے نظر آئے آپ کو اس موقع پر نذا حسین  
 صاحب نے شعر اسے تلا یا اور ظاہر کیا کہ بہت گروہم ہیں غم رکھتے مگر تم کرتے نہیں  
 طرح کبھی آپ نے جوں ہی یہ مطلع پڑا سہ یاد گاہ پستی مہموم تم رکھتے نہیں۔ صورتِ عمر  
 رواں نقشِ قدم رکھتے نہیں۔ شہزادہ صاحب نے بے اختیار داو سخن دیکر یہ پوچھ کر  
 حضرت آپ کے کس گروہ میں جب تک علم ہوا کہ گروہم کے گروہوں کے توصات کہد یا کرتی  
 تو میں حیران تھا کہ لکھنؤ والے اس رنگ کو کیا جانیں وہاں تو انکیا کرتی کا مضمون خوب کہتے  
 ہیں۔ ایک شعر آپ کا اسی زمین میں اور ہے۔ شعر  
 ایک صورت پر بس کر کے ہیں زیرِ سماں :- صورتِ ماو دو ہفتہ بیش و کم رکھتے نہیں  
 شہزادہ صاحب اور بھی آپ کے کلام پر شیفہ اور فنیہ ہوئے اور پوچھا تک چھوڑا  
 صادق صاحب دہلوی بھی کہ شہزادہ صاحب کی یادگار میں اس واقعہ کی تصدیق کرتے  
 ہیں۔ شہزادہ حیا غالباً غالب مرحوم کے عہد کے شعرا میں تھے کیونکہ نواب یوسف علی  
 صاحب کی حیات تک غالب مرحوم بھی برابر رامپور میں شریف لائے رہے اور بوجہ  
 اصلاح نواب صاحب مذکور اللہ کے بہت ممتاز تھے اور بوجہ شہزادگی یوں بھی بہت  
 صاحب تو تھے اوستا و تسلیم فرماتے ہیں کہ یہ زمانہ ہم نے نہیں دیکھا نہ میرے وقت  
 غالب رامپور آئے۔

بعد چند ہی جب رستہ صاف ہو گیا تو آپ ولی عہد بہادر سے ملے اور کہا کہ سرکار  
 انگریزی نے تجو بی انتظام کر لیا۔ کوئی خطرہ راہ نہیں رہا۔ اہل و عیال کی خبر نہیں کیا

ہوئے کہ ہر گز آنکھیں کھینے کو ترستی ہیں اور غم وطن رکھتا ہوں کہ ہر شے چھوڑی  
 نفس میں جو تڑپا چمن یاد آیا ۱۰ مصیبت زدوں کو وطن یاد آیا  
 غرض ولی عہد نے اس صدمہ بے وطنی کو سبکدوش طور پر خالص ستوراد پیر زاد راہ دیکر  
 رخصت کیا اسی عرصہ میں آپ کے والد کے شاگرد بخشی لوجن محل صاحب کھنوی  
 نے بطور صندوقی صدر روپیہ بھیج دے آپ فرخ آباد کا پورہ ہوئے اپنے بڑے  
 بہائی منشی عبد الطیف کے پاس کھنوی پہنچے چند دن وہاں قیام رہا بہائی کے ازراہ  
 الطاف و محبت کچھ چوڑے کپڑے بنوا دیئے اور پچاس روپیہ زاد راہ دیکر فیض آباد  
 وطن نوجواں والدہ ہمیں بھیج دیا۔ فرمائے ہیں کہ جب والدہ کے پاس پھونچا بہت  
 خوش ہوئیں اور یہ جان کر مردہ قبر سے اٹھ کر آیا ہے چنانچہ مطابق رسومات  
 ہند و سنیقت ماوری یہ سارا روپیہ چند ہی روز میں بزرگوں کی نیاز صدقہ  
 رت جگا۔ شہیدوں کے مزار پر چادر وغیرہ چڑھانے میں صرف کر ڈالا گیا۔

نوٹ۔ خدا تعالیٰ اس مطلع نے مجھے بھولی ادا دہی مرحوم کا پرنسپل پنوری شاگرد معنی کو یاد دلوا دیا جو عرصہ زندگیاں  
 ملک الشعراء کی ہیں۔ یہ بڑے قادر الکلام اور ماہر فن مصنف نے اپنی زمرہ ملازمہ میں اذکار کیا ہے اب دیکھو ایک نئی یاد آگیا  
 حافظ اودھ لکھنوی صاحب نے اپنی چھٹاں خطبہ میں پچاس روپیہ کا پتہ لکھا ہے کہ تھے ان مایوس پکڑنگ مسودہ کا ہنس مرحوم کا میر پاس میں  
 ہستی لائے تھے بہت مطلع بہت خوب نظر آیا شہید کی طرح یا رکا ایسا جو بدن صاف بیسینے کی نظر آتی جو چوٹی کی شکل لٹا  
 انہوں نے کڑا کلا بھیج کر پکڑنگ کی بات نہیں ہے مرثیہ سلام میں ہی آیتیں دبیر کے معصوم غزل میں آتش کے پھپھاتا  
 رہے صرف یورپ کی سکونت مانع قبولیت ہوئی۔ ۱۰۰ کے یورپ میں ہونگے سند پڑش ایسی شاعری بیکار ہو  
 گیا میں کوئی صاحب فن انکار دیکھنے والا باقی نہیں انکے شاگرد گہنی کے ایک شاگرد فنی درگا پرشاد  
 ستم رہ گئے تھے دین برس ہوئے وہ اپنی چل بسے کلام غیر مطلوب رہ گیا۔ میرے بڑے غایت فراموش  
 کا ہنس مرحوم کا ایک نوحہ مقبول و مشہور یاد ادا مہاروی مع۔ لالہ سب خون میں ڈوبے گلزار فاطمہ ایک شعر  
 کچھ عجیب عالم رکھتا ہے۔

کس مصیبت میں تھو اوس دم موندی بنی، شمر تو سینہ پہ تہا اور انتظار فاطمہ

غریب اطراف سے دیکھنے کو آنے لگے۔ غرض تقریباً دو مہینہ تک اسی  
 طرح بسر ہوئی پھر معیشت کچھ نپٹی یہ وہ زمانہ ہے کہ منشی کو کشور نے نیا نیا  
 چھاپا خانہ قیام کیا تھا اور مصافات لکھنؤ کے سارے خوشنویس اور لائق فائق  
 لوگوں کی پکار ہو رہی تھی آپ بھی یہاں اپنی خوشنویسی کی بدولت پیش قدمی  
 ماہوار کے منشی مقرر ہو گئے۔ اور محلہ محو ذکر کو قتل قیام سے اپنے مشن سر جھٹا  
 یہی وہ محلہ ہے جہاں آتش مرحوم رہتے تھے۔ لکھنؤ والوں میں درواغینہری سے  
 لے کر اسے جناب نسیم کا کلام آتش سے کسی قدر پتا چلتا ہوا ہے نسیم مرحوم نے بھی  
 درواغینہری میں لکھنؤ کے اساتذہ آتش ہی کو منتخب فرمایا تھا کہتے ہیں کہ  
 کلام آتش مرحوم سے بھی ناپیدا ہے۔ نسیم آگاہ تھا کچھ وہ بھی درواغینہری  
 اسی زمانہ میں نواب اصغر علی خان نسیم دہلوی نے کہ کچھ عرصہ تک ملازم مطبعہ نو کشور بھی  
 تھے رحلت کی بعد مرگ نام نہ آتش انہیں کے دم قدم سے زبان اُردو کی ترقی  
 لکھنؤ میں باقی بھی انکی موت نے اوس عہد کے بچے بچائے صاحبان فن کو بڑا صدمہ  
 بھونچا یا یہی وہ نسیم ہیں جن کا یہ وہ عوئے مشہور ہے۔

نسیم دہلوی ہم موجود باب فصاحت ہیں۔ کوئی اُردو کو کیا سمجھیں گے جیسا ہم سمجھتے ہیں  
 مرحوم نے متعدد دلائق و فائق تلامذہ چھوڑ دیے۔ عہد ایدہ خاں مھر۔ منشی اشرف علی  
 اشرف۔ شیخ امیر الدین نسیم۔ مرزا جموں بیگ عاشق عورت نسیم ظریف نامہ نگار اور دیگر  
 وغیرہ منتخب روزگار لوگ تھے۔ استاد نسیم نے مرگ نسیم کا نظم اس قطع میں ظاہر فرمایا  
 کیا کہوں سوختہ جانی نسیم : دل نہ سوز نہانی ہے ہے  
 چل بسے گلشن فانی نسیم : رشک قدسی دفغانی ہے ہے  
 ہر طرف سے ہی آتی ہے صدمہ : موجد شعلہ بیانی ہے ہے  
 منہ سے نکلی دم شیون تار تار : ناظم ملک معانی ہے ہے  
 سفر دہلی کے موت پر میں نے خاندان مؤمن نسیم کے رہے سے لوگوں کی بہت  
 تحقیق کی مگر کہیں کچھ تپہ نہ ملا تنگ و ناچار سر پہ کر رہ گیا حضرت نسیم فرمائیے

کہ مومن نسیم دونوں کے لڑکے تھے معلوم نہیں کہاں ہیں کیا ہوئے ۔  
 نسیم مرحوم کا ایک لڑکا مجھ سے تین سال بڑا تھا عرف بڑے مرزا اسکو صبی بی سے  
 تھا اپنی دلہن کو لیکر حج کے لئے گیا پھر واپس نہیں آیا ایک دوسری عورت  
 سناؤ تو کن کے بطن سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی یہ لڑکا ابدا ہی کو  
 مجھوں اور دیوانہ تھا۔ اب تک لکھنؤ میں ہے۔ کیا کہوں کہ اس سوہر میں  
 کس کس طرح زمانہ کا ورق اُلٹا اور کیا کیا ہوا۔ اب بوجہ کمرسن وضعت  
 و مانع کچھ یاد بھی نہیں رہا نسیم کی موت نے اوستا و نسیم کو اس قدر جبر  
 افسردہ کیا کہ عرصہ تک شعر شاعری کو ترک کر دیا لکھنؤ کے ایک مشاعرہ میں  
 شریک ہو کر یوں افسوس ظاہر کرے ہیں۔ کہ

مرگ اوستا و نسیم ہونہ زندہ دگر ۛ شعر کہتا بھی نوین صند جگر کیا کہتا  
 جناب نسیم کا بیان ہے کہ بعد مرگ انش صرف نواب محمد تقی خاں صاحب  
 سالار جنگی لکھنوی کا شاعرہ باقی رہ گیا تھا یہ بات سو ستادین روپیہ  
 کے وثیقہ دار اور ماہر فن رئیس تھے اکثر اہل کمال اور شعرا کے ساتھ  
 بعد اختتام شاعرہ کو نقد جنس سو سلوک بھی کیا کرتے تھے۔ انہیں میر کلو  
 عرش بھی تھے۔ یہ ہمیشہ نواب صاحب کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے  
 مگر کبھی طرح کی غزل بجز غیر طرح نہیں پڑھی اسے کو میر تقی میر کا بیٹا تھے  
 انہوں پر گئی تھی۔ افلاس کا طرہ تھا۔ بالکل گزر چکے تھے۔ انکے ساتھ بھی  
 کم و بیش سلوک کیا جاتا تھا۔ اور خالی ہاتھ کبھی رخصت نہیں کئے گئے  
 یہ وہی میر کلو عرش ہیں جسکی شاگردی بر لکھنؤ کے مشہور شاعر محمد جان شاہ  
 مرحوم کو فخر تھا انکا یہ شعر بہت مشہور ہے۔

آسیا کہتی ہے ہر صبح بہ آواز بلند ۛ رزق سے بھرنا ہی رزاقی ہن بھر  
 مصنف اسجرات نے ہی میر کلو عرش کی زندگی کی تصویر کھینچی ہے جو  
 اوستا و نسیم کے اس بیان سے مشابہ ہے۔



نواب صاحب ابتدا سے نسیم کے شاگرد تھے بعد انتقال اول کے اپنا  
 کلام اوستاد تسلیم کو دیکھانے لگے۔ یہ ایک بڑا ذریعہ اوستاد تسلیم کی فانی  
 کا ہو گیا بظاہر گوشتیں ہی رویہ ماہوار دیتے تھے مگر صد ہا نوازشیں تھیں  
 کیونکہ لحاظ ملک نسیم مرحوم نیز اوستاد ہونے کی حیثیت سے جناب تسلیم کا پاپا  
 سب سے زیادہ بلند تھا یہی وہ نواب سعادت نشان ہیں جنکی حکم سے  
 مرحوم نسیم کا دیوان جناب تسلیم نے <sup>۱۲۸۸</sup> میں مرتب فرما کر چھپوایا۔  
 افسوس کہ اس واقعہ کے سات ہی سال بعد نواب نے انتقال کیا  
 اور بادشاہ نے اوستاد تسلیم کی فاسد البالی کے چران کو ہند کر دیا۔  
 اوستاد نے مرگ نواب کی تاریخیں کہیں جنیں ایک یہ بھی ہے۔

قطعہ

ترک ہستی گفت ہر گہ این بینا مدأ : از زمین جریخ شوشیون و نام نیت  
 از پے تاریخ تسلیم حزیں چون فکر کرد : گفت دل نواب لا قدر این عالم نیت  
 مرحوم نسیم کی جانشینی کا شرف چونکہ اوستاد تسلیم کو حاصل ہوا تھا اس لیے  
 ابتدا ہی سے نسیم آپ کی طبیعت پر دل دادہ تھے۔ منوی نانہ تسلیم کی  
 ترتیب کے وقت یہ تاریخ فرمائی تھی۔

چون نظم نمود این فی ساند : تازہ گل من ز بارغ تسلیم  
 گفتیم نسیم سال تصنیف : قرباں بچاں فی ساند  
 نواب صاحب نے بھی جو باوجود ملک نسیم آپ کو عزتیں دیکھائیں اوس کا  
 سبب یہی تھا کہ اسی عہد میں آپ نسیم کے قائم مقام تسلیم کر لئے گئے تھے  
 جناب تسلیم کو نواب کے انتقال کا اتنا سخت صدمہ ہے فرماتے تھے کہ اک  
 روز مرض الموت میں جو میں دیکھنے کو گیا تو زمانے کے چلیے میں بسین رویہ  
 ماہوار اپنے وثیقہ سے آپ کو بکندوں میں سے در نامہ کے بعد آپ کو نہ بکندوں  
 یہ کل اسوقت اسقدر عالم یاس میں ڈوبا ہوا تھا کہ بے اختیار غیری

سے اُنسنوکل پڑے اور میں نے کہا میری بہت گوارا کرتی کہ حضور  
نہ ہوں اور میں آپ کے وثیقہ کی تنخواہ کہاؤں اس سے آپ کی سچی قناعت  
کا ثبوت مل سکتا ہے۔

ابھی چند سال ہوئے لکھنؤ میں نواب صاحب مرحوم کی صاحبزادی  
اپنی سسرال سے آئی ہوئی تھیں جناب نسیم یہ سمجھ کر کہ اب نواب کی یادگار  
یعنی ایک باقی ہیں تشریف لے گئے تھے آپ کا نام سن کر پردے کے قریب  
بلوایا اور پرانہ سالی اور پریشانیوں پر بہت افسوس کرنے لگیں کہ روپیہ  
اور کچھ کچھ تھکان کے ساتھ رخصت کیا مرحوم نواب کے والدان کی پابست  
تسلیم نے کہا تھا کہ ان کو شعر و شاعری سے تعلق نہیں وہ ایک اور ہی  
خیال کے آدمی ہیں نہ ان کو میری خبر نہ چھے اونکی۔

بعد اتمقال نسیم و مرگ نواب آپ کی طبیعت بہت افسردہ ہو گئی اور  
بہ طور یادگار طبع نوزوں جو کلام غزلیں لٹا کر رنج گیا تھا بصورت کلیا  
جمع کر کے منشی نو لکھنؤ صاحب قدردان اہل کمال کے حوالہ کیا اور اونے  
حکم سے وہ چھپرہ مشہور دیار و امصار ہوا۔ اس میں افکار اول کا حصہ گویا ہوا  
جو چھپرہ مشہور کے عذر کے بعد نوزوں فرمایا تھا مرتب کیا ہے۔ اس پر  
بھی فوطہ عجز سے کہتے ہیں کہ ندامت ہے عذابائیں رہ گئیں

جب لکھنؤ قدردان رئیسوں سے خالی ہو گیا تو خداوند عالم نے نواب  
کلب علی خاں بہادر فرمانروائے رامپور کو سندھیلین ریاست کر دیا۔  
سارے ذی علم لوٹ پڑے۔ اوسوقت ان کے مشعل درباری  
شہر میں بچہ خزانہ تارخ۔ چہا۔ ایسیر۔ ایسیر۔ منسیر۔ دایع  
جلال۔ سحر۔ عروج۔ چہا۔ چہا۔ خلق۔ رسا۔ منصور وغیرہ موجود تھے  
ایک روز نواب نے کہ وجہ نہ غنوار نسیم تھے وہ باریں پوچھا کہ نسیم کہاں  
چلا گئے کسی نے کہا کہ مطہر نو لکھنؤ میں۔ آپ نے فرمایا کہ بلوایا۔ یہاں تک

کہ حضرت امیر مینائی نے آپ کو طلب کر لیا اور آپ اول اول ہر مرہ شعر  
 نہیں رویدہ ماہوار کے نوکر ہوئے دو سو روپیہ عینہ کے موقع پر ملا کرتے  
 تھے۔ علاوہ اس کے اس وقت دربار کی کچھ اور تھا۔ صد ہا غنائیں  
 تھیں۔ سیرے خیال میں اس وقت کارا مینور صرف دارالسرور ہی نہ تھا  
 بلکہ دربار کبریٰ کا جواب تھا۔ ہر فن کے اہل کمال جمع تھے بالخصوص شعرا  
 کو برافروز تھا اس جلسہ میں جہاں چار طرف کھنڈوالے اور زیادہ تر  
 نارس و آتش کے نام یوں لگے نہ بھرے پڑے تھے دلی والوں میں دان غنی  
 بھی اپنا رنگ بدل ڈال تھا ایک قدیم دلی کے مٹے مٹائے رنگ کا پیر و جو  
 اپنی طولانی عمر کے لحاظ سے بھی سب میں ضعیف الدماغ ہو گا کسطرح ممتاز  
 ہو انجوب۔ رہے بجز اسکے کہ مومن کا روحانی فیض یا انصال انفرادی اور کیا  
 کہا جاسکتا ہے۔ ان سارے اساتذہ کی زبان پر آپ کا نام جب آیا لفظ اوستا  
 کے ساتھ آیا جس نے کہا تسلیم نہیں کیا بلکہ اوستا تسلیم ہی کیا۔ رفتہ رفتہ آئے  
 یہ سارے حضرات اٹھ گئے۔ اور صرف امیر۔ دان غ۔ جلال۔ تسلیم۔ رہ گئے  
 اسی زمانہ کے لوگوں نے ان چاروں کو زبان اردو کا اسع عناصر کہا ہے  
 جنہیں تین چل بسے آپ ایک رہ گئے باقی ہیں۔

غرض نواب کلب علی خاں بہادر نے بعد چندے آپ کی قابلیت کا اندازہ  
 فرما کر ناظر عدالت پیش کیا۔ مدس بیوٹی اس کے بعد اس وغیرہ کے مخالف  
 عہدوں پر معذور فرمایا خواہ میں ترقی بھی نہیں اسے کچا جس تک ہوئی۔ یہ عہد  
 آپ کے لئے نہایت ہی مہیا تھا۔ اور اچھی طرح بسر ہوئی جب کو اپنے آخر زمانہ میں  
 بھٹرنی کی خبر سنکر یوں رونے لگے۔ ہائے

تسلیم عہد کلب علی خاں گزر گیا : : : : :  
 کہی موقوف ہیں تسلیم ہائے ہر شے  
 گرامی نامہ تسلیم مشفق نجی شفیق فیض الدین احمد صاحب زادہ علی شکر۔ بعد سلامت

کے مظہر مدعا ہوں سب طرح خیریت ہے صحت و عافیت آپکی ایندو تھالے  
 سے چاہتا ہوں۔ میرا حال اب تک بدستور ہے شخصیت کی فہرست میں نام  
 لکھ گیا ہے مدارالہام صاحب نے منظور فرمایا ہے نواب صاحب بیمار  
 کی منظوری باقی ہے سنا جاتا ہے کہ ۸ اکتوبر ۱۹۰۹ء کو احکام جاری ہو گئے  
 جس کا آب و دانہ ہو گا رھدگا باقی موقوف ہو جائینگے۔ میں بھی حکم کا منتظر  
 ہوں۔ منشی امیر احمد صاحب یہاں سے بھوپال گئے وہاں کچھ دن ٹھہر کر حیدرآباد  
 وکرن تشریف لے گئے دیکھتے آئے ہیں یا وہیں قیام کرتے ہیں۔ شبیر احمد میرا  
 شاگرد ہے وقتاً قلیص ہے ایک معمولی آدمی ہے دو چار دیہات سرکاری  
 اوسکے پاس بطور مستاجر کے ہیں اور کھنڈسار حسین شکر پنتی سے بھی ہے  
 دس پانچ آدمی نوکر ہیں اوسی کے ایک بھکان میں قیام میرا بھی ہے۔ چند  
 اوسنے بمقتضائے بہت خور و نوش وغیرہ کی نسبت بہت کچھ کہا مگر میری غیرت  
 نے نہ چاہا کہ باوجود قدرت کسی کی نہ وہی برہنوں۔ کچھ زار یا گیا ہے وہ  
 نقد و بیت ہوں کہا نا کہا لیتا ہوں۔ یہ اوسکے خلاف مزاج ہے مگر مجبوری  
 لیتا ہے۔ اگرچہ میں نوکر رہ گیا تو مکان علیحدہ لیکر رہونگا۔ اور بسا اوقات  
 کے لیے کوئی آدمی یا ناٹو نوکر کہونگا۔ ورنہ جہاں آب و دانہ لے جائے گا چلا  
 جاؤنگا۔ اور ہستی کہ تذکرہ روپیہ ماہوار ریاست منگول سے مقرر تھے وہ بھی  
 موقوف ہو گئے۔ اور خواہ برطرفی بھی نہیں ملی۔ کیونکہ ریاست میں روپیہ نہیں  
 اور نہ کسی لاکھ روپیہ قرضدار ہے۔ سولہ مہینہ کی خواہ چاہئے مگر امید ملے گی نہیں  
 وہاں کے حیرت انگیز کام محمد اصغر علی خاں ہے پروجات کے خطوط انہیں  
 کے پاس جاتے ہیں رامپور کے رہتے۔ اے ہیں ساجی آئے گئے مجھ سے  
 ملے بھی تھے میں نے اون سے بھی اپنی خواہ کی نسبت کچھ ذکر نہیں کیا نواب  
 منگول نے پہلے بڑی اولوالعزمی کی جب حیدرستان کے صاحبان جن کا حسلہ  
 ہو گیا نوکی کرنے کے غرض ایسی ایسی پریشانیوں میں ہوں کیا کیا کہوں۔

امیر الدار امپور ہستمبر ۱۹۰۶ء

اس تحریر کی تصدیق دیوان دوم اوستا تسلیم کے صفحہ ۵۶ کی  
 عرضداشت سے بھی ہو سکتی ہے۔ یہ اوس زمانہ کی حالت ہے جب  
 نواب علی خاں صاحب محل بسے اور نواب حامد علی خاں فرمانروائے  
 حال سندھین ریاست ہوئے۔ اسی زمانہ کی بابت حیات تسلیم مطبوعہ  
 لاہور میں یہ عبارت بھی لکھی گئی تھی (مات یہ ہے کہ نواب حامد علی خاں بہاؤ در  
 خداداد ملکہ والی رامپور کو وہ شوق نہیں) اس جگہ کی تردید ہمارے متعلق  
 حال شہزادہ صادق صاحب دیوان سوم حضرت تسلیم میں یوں  
 کرتے ہیں (ممکن ہے جسوقت حیات تسلیم کو عرض صاحب نے تالیف  
 کیا ہے اوسوقت تک حضور پر نور دام اقبال ہم کو تو جہم نہو مگر اب تو جو قدر و منزلت  
 شہر کی اس دربار میں ہے آج ہندوستان میں کہیں نظر نہیں آتی۔  
 یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ کے منتخب شعور طبخ شاعر آج رامپور میں بہت  
 موجود ہیں۔ اور بارہا جو تو قیر سر مشاعرہ اوستا تسلیم کی اعلیٰ حضرت نے فرمائی  
 ہے وہ احاطہ بیان سے باہر ہے) بیشک یہ امر مان لینے کے قابل ہے کہ  
 نواب صاحب بہادر نے جناب تسلیم کی کھواری قدیم کا صلا مناسب عطا  
 فرمایا۔ مگر قدرہ انی شہر اسے میرے خیال میں اوس زمانے کے اعتبار  
 سے رامپور ان بھی خالی ہے۔ سوائے کمال صاحبزادہ جلال مرحوم اور  
 حیات بخش صاحب رتائے معقول تنخواہ کسی ہے۔ وہ ہی سنا جاتا ہے  
 کہ کمال نے قبل از وقت عین جوانی میں انتقال کیا اور باپ کا نام روشن  
 کر کے چلے گئے۔ اب دیکھیں مرحوم جلال کا جانشین کون پیدا ہوتا ہے۔  
 خداداد دن کرے کہ نواب صاحب بہادر واقعی قدر دان اہل کمال  
 ہو جائیں اور کم سے کم علائہ حضرت شمشاد مرزا اوج خلعت و بیعت نصرت  
 لکھنوی وغیرہ کو معقول قدر وافی سکھاتہ دربار میں طلب کرائیں کہ یہ لوگ

دیر نہ یا دو گرا باقی ہیں جس زمانہ کی نادر دانیوں پر میں معترض تھا اسکے متعلق ایک مقطع مناسب حال اوستاد تسلیم کیا یاد آگیا۔  
تسلیم ہو کر کلب علیخان گذر گیا۔ تم بھی آگے درہ اہل سخن کی شمار  
ظاہر ہوا کہ آج وہ کسی شمار میں نہیں ہیں۔ صادق صاحب کے ملاحظہ کو  
جنا ب تسلیم کی ایک کھیر پیش کرتا ہوں۔

(از گرامی نامہ تسلیم) مجھی مشفق زاد عزائم بعد سلام سنت الاسلام کے  
مظہر دعا ہوں۔ میں ٹوٹ گیا تھا وہاں میرا اک دوست ڈاکٹر لظہر محمد خاں کا  
بیٹا ہے دیر محمد خاں شفا بہت سرسبز آرد وہ اور میرا قدر دان تھا صاحب  
میں وہاں پھونچا تو معلوم ہوا کہ اسکا انتقال ہو گیا سخت مجبور ہوا ہر جنبہ  
اور خورجیہ و ہونڈا لکڑی دستیاب نہ ہوا ناچار گیارہویں روز پھر امپور والیں  
محمد امیر الدتسلیم ۳۶ رگت شدہ ۱۹

صادق صاحب کے اطمینان کے لئے ایک اور سہی (از گرامی نامہ تسلیم)  
مشفق مجھی زاد عزائم یکم میرا مقدمہ ابھی تک بدستور ہے نواب صاحب  
بہادر کو اللہ تعالیٰ نے فزنیار جہنم عطا فرمایا ہے۔ اسکا جشن اور خوشی ہو رہی  
ہے۔ چنانچہ ایک مہینہ کے تعطیل ہے۔ کچھ ریاں بند ہیں۔ کبھی کبھی بغرض  
کار ہائے ضروری کھل جاتی ہیں۔ اسبوجہ سے وہ کاغذات پیش نہیں ہو سکے  
و یکے کیا ہوتا ہے۔ منشی امیر احمد صاحب حیدر آباد دکن تشریف لے گئے تھے  
وہاں غلیں ہو کر رہی جنت ہوئے یک ہفتہ ہوا تار آیا تھا۔ نواب صاحب  
حیدر آباد سے نوبت ملاقات نہیں آئی۔ افسوس بڑا کامل فن اوٹھ گیا  
نواب مرزا صاحب و لک بھی سخت غلیں ہیں اونکے بھائی یہاں آئے اونکی  
لبلی کتار آیا تھا یقین ہے گئے ہوں۔ رقیہ ناز امیر الدتسلیم ہر اکتوبر ۱۹  
ایک تحریر اور تاکہ صادق صاحب کو مطلق میری تحریر شک نہ رہے۔  
(از گرامی نامہ تسلیم) مجھی مشفق زاد عزائم یکم۔ بالفعل میرا تعلق اس ریاست سے

جاتا رہا سخت تردد ہے کہ اسوقت کہاں جاؤں۔ ارادہ ہے کہ منگل  
 ملک کا ٹھکانہ ڈاکو جاؤں یا بھوپال جا کر تلاش معاش کروں۔ تیغ خواہ  
 ابھی نہیں ملی اوسیکا انتظار ہے اور کیا کہوں۔ رفیع نیاز جہا میرا معلم ۱۸ جولائی  
 اب بھی اگر صادق صاحب میری صداقت تحریر پر ایمان نہ لائیں تو اور بھی  
 غرض نواب مرزا خان صاحب داغ۔ اور جناب امیر کے ترک راہپور کے  
 بعد آپ بھی آخر ناقدر دانی کے ہاتھوں تنگ اور پریشان ہو کر تلاش  
 معاش میں منگول آئے۔ یہاں باوجود مقروض ہونے کے نواب سچ  
 حسین بیان صاحب نے پچاس روپیہ ماہوار اور خرچ پر روکنا چاہا۔  
 بگراہپور کی ازلی قدر دانی اور دیرینہ احباب کی محبت کب چھوڑتی تھی  
 غیر مانوس غفلت اور سنبھلے گئے کنارے کی آب و ہوا کی خرابی وغیرہ کا عند  
 پیش کر کے پھر راہپور چلے آئے اور تھوڑے عرصہ تک نہایت درجہ پریشان  
 رہے جسکا کچھنا تطویل لاطائل ہے۔ اب دریائے رحمت بخش میں آیا اور  
 اس نے کسی میں غیب سے صورتیں پیدا ہو گئیں والی حال نے فرزند  
 ارجمند کی ولادت کی خوشی میں لوگوں کی بھڑائی روک دی۔ جب نواب  
 بہادر سفر انگلینڈ سے واپس ہوئے اوستاد تسلیم نے اپنا منظم سفرنامہ لکھا  
 راہپور پر پیش ہزار پانچ سو اشعار کا دفتر تھا دربار کے موقع پر پیش کیا اور دم  
 آخر بھی دعا گوئی اور معجز بیانی کو ہاتھ سے جانے نہ دیا افسوس کہ فیصل کے  
 کہ اسکا ضلالت آپ کشش دربار سے تنگ آکر محروم واپس چلے آئے  
 وائے پیرانہ سالی۔ جب تلاش ہوئی نہ ملے اور جب دوبارہ حاضر ہوئے  
 تو حکم احکام جاری ہو چکے تھے کسی نے اس غمخیز جواہر کو بھی اور ایسا  
 آخر عالیشان صاحبزادہ مصطفیٰ علی خاں صاحب بہادر پرائیویٹ سکرٹری  
 کے طفیل سے یہ کتاب مع درخواست پھر پیش ہوئی اور سرکار والا تیار نے  
 مقررہ تیس روپیہ پر دست روپیہ اضافہ فرما کر چالیس روپیہ ماہوار بطور

پیشین مقرر کرویا۔ اور نواب عالی گہر نے پوچھا کہ تسلیم کیا چاہتے ہو اتنے  
 بڑے با وقعت اور صاحب اختیار نواب کو آپ نے یہ جواب دیا کہ حضور ایک روز  
 روزنہ تو میرا خزانہ لڑی سے مقرر ہی ہو چکا ہے میں اور کیا کہوں ہاں سچا  
 ہوگی اگر ذلیفینج کے اداکاری کا سامان فرا دیا جاوے۔ اسکا جواب اس  
 مدبر ملک کی طرف سے یہ دیا گیا کہ ایسے خیف الفکا اور کبیر بن حدو آدمی کو جج کے  
 لیے بھیجا گویا اپنے ہاتھ سے کہونا ہے چنانچہ شوالہ سے اسوقت تک آپکو بلور  
 پینشن چالیس ہزار روپیہ ماہوار ملاتے ہیں اور عاضری دربار کی معاف ہے۔  
 یہ جدید سفر نامہ لندن جو دوبارہ منظوم کیا گیا پینس ہزار شعر و کما مجموعہ  
 ہے اسکے ساتھ ایک مجلد تاریخ کونسل آف انڈیا کی۔ اور ایک جلد ترجمہ کردہ  
 تاریخ بدیع بھی پیش کی گئی تھی۔ صادق صاحب نے اوستاد تسلیم کی توفیر  
 کی نسبت جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل صحیح ہے اویس کی تصدیق اوستاد تسلیم نے  
 میسرے دیوان میں خود کی ہے۔  
 وہ راحت پائی ہو حامد علی کی تقدیر : عجب کیا غلہ میں بھی باد نکھو راہ پور ہے

ولہ

شکر و حمد میں نواب کے اب تک تسلیم : عجب کی ہنرے بسر عزت و توفیر کے ساتھ  
 خدا وہ دن کرے کہ نواب حال کا ذوق سخن روز افزوں تر بن کر بے انکی  
 شعروں پر اوستاد تسلیم کی یہ رائے ہے : از دیوان سوم حضرت تسلیم  
 اگر پوچھنا ہوں دم و جد دل سے : یہ دیتا ہے مجھ کو جواب اول اول  
 کہ نواب حامد علی ان سے تسلیم : کہی یہ غزل انتخاب اول اول  
 جناب تسلیم کی پیشین کے بعد ہی اونکا دل و دماغ ہوش و حواس سمات  
 و بصارت ایک ایک کر کے سب رخصت ہو گئے گویا امام الشعراء شاہ جام کی  
 جہت ہی درہم برہم ہو گئی۔ اگلے یا دگار ان مومن و نسیم سب زیر زبیں  
 چلے رہا نہ موجودہ کے مذاق کی صورت سے ادن کو یہ نفرت کہ دامن سخن



سے نزدیک ڈھانک لیا۔ اوس شب تباہ سخن کی شمع سحری ایک ذات نسیم  
 رہ گئی جس کی نگاہ میں ہر وقت اہل بھرا کرنی ہے اگر کسی دستِ نوتی اُڑی  
 اونکا مجبور بھی کروڑ تباہے تو کچھ ہسکر وہ یوں ٹال دیتے ہیں سہ۔  
 کہیں نیم کیا ہم شہرِ اہو وہ زاد ہے بکھڑا جالے پڑے جاہل مخمور ہو جاتی

### یہ عمر شریف اور حواس

عہدِ ولی و حاکم سے اوس وقت تک اُردو کے نامی استادہ میں جو عمر  
 کہ آپ کو اللہ پاک نے عطا فرمائی میری یادیں کسی اور کے حصہ میں شاید  
 نہیں آتی اللہم زد فرما سوت کہ یہ کتاب زیر تالیف ہے گو آپ کی صحیح عمر  
 ۱۰ برس کی ہے مگر پوشش و حواس لازمی میں مطلق فوق نہیں اللہ بھارت  
 وسامحت میں بہت بڑا فرق آگیا اور اسی کے لائقِ تحریر و تقریر نہیں رہا  
 آپ کا آخری گرامی نامہ جو چند روزِ مرتبہ سے ملو ہے محکمہ ۱۲ ستمبر ۱۹۰۹ء  
 کو ملا تھا اوس کا مضمون آخری یہ ہے۔

اگر گرامی نامہ تسلیم۔ میرا صنفِ بھارت اور نقلِ سماعتِ جد سے بُرا لگیا  
 دیوار بن گیا ہوں۔ یہ خط اُنکل سے لکھا گیا چند لکیریں کہیں ہیں۔ پھر نہیں  
 پڑا گیا کہ کہاں صحیح لکھا اور کہاں کون لفظ رہ گیا۔ امیر اللہ تسلیم پوشش  
 اس تحریر کے بعد کوئی تحریر و دستِ خاص کی مجھ کو نہیں ملی ہر چند پوشش  
 کی۔ مگر تعجب ہے کہ اس صد سالہ عمر میں آپ جو فرما لے ہیں یاد رکھتے  
 ہیں جب کوئی دوست ملے آتا ہے تو کہہ دیتے ہیں۔ گرچہ مغذوری اس  
 مقطع سے ظاہر کہ سہ۔

سود برس کی عمر میں کبھی شاعری نہ اُب ڈل کو نظم کی خواہش نہ اُنک کی ہو  
 بہر حال جو کچھ کہہ لیتے ہیں اوس اعتبار سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح اُردو  
 زبان شاعر میں عمر کا بڑا حصہ آپ کو ملا۔ دل و دماغ بھی اللہ تعالیٰ نے وسیاہی  
 عطا فرمایا۔ ورنہ یہ عمر وہ ہے کہ انسان اپنے سے گروٹ تک نہیں بدل سکتا۔

اس عمر طوفانی کے بڑے حصہ کو آپ نے لکھنؤ اور رامپور میں گزاری اور یہاں  
گرم و سرد زمانہ میں مشاکرہ اور صابر رہے۔ بعد انتقال واسع و امیر صاحب  
کے دکن سے آپ کو اکثر طلب کیا مگر صرف اس مطلع پر مغذرت چاہی کہ  
میرے دلیں تمنا سے دکن چھوڑ کر تپتے آگ لگایا دیا میرے وطن کیجیہ اور کہتی ہو  
ہائے اس میں شک نہیں کہ منشی امیر احمد صاحب اس زمانہ آخر میں آپ سے بڑی  
صاحب فہم دوست تھے۔ پھر ہم پیشہ و ہم مشرب و ہمارا زکی موت تھی کس طرح  
صدر عظیم ہوتا۔

یہ میں کچھ چکا ہوں کہ ۱۹۰۹ء سے اس وقت تک کوئی تحریر دستا  
تسلیم کے دست خاص کی میرے نظر انداز نہیں ہوئی۔ ہمارے دیرینہ و قریب  
جانب لکھنؤ محمد یار خاں صاحب جنگلے مکان میں اوستاد تسلیم کا اب قیام ہے اور  
ہمارے حاضر و غائب وہ اونکے غجوار ہیں جواب پر رضیہ دیا کرتے ہیں جو ہر زمانہ  
سالی چھو چھوٹاں کاوش بھی نہیں ہوتی کہ وہ خود ہی تحریر فرمایا کریں مگر اکثر  
۱۹۱۰ء میں چند شبہات کے جواب کی ضرورت لاحق ہوئی اور چاہا کہ دم آخر تک  
کچھ کلام تازہ اپنا بغرض اصلاح بھیج دوں چنانچہ بھیجا۔ تو بہت اصرار پر ناظر صاحب  
کا یہ غایت نامہ صادر ہوا۔

جناب والا زاد عنایتی سلام علیکم۔ جناب کا خط معہ رباعیات و نزل پہونچا  
حضرت اوستاد کو سب سنا دیا اب اونکی سنی و بصر میں بہت فرق آگیا ہے  
اوستاد سے بری نہیں جاتا۔ میں نے بہت اصرار سے آنا دیکھا ہے کہ جواب  
خط میں یکھ دو نگاہ بطور ثانی جھڑجھڑ ہو دو سطرین یکھ دیکھیے۔ وہ جب  
کہتے ہیں تو ایک حرف کے دو دو حرف ہو جاتے ہیں۔ اور الفاظ پر یکھتے  
ہیں۔ کہہ رہے ہیں تو یاد کے واسطے انکل سے کچھ یکھ لیتے ہیں۔ پھر دوسرے  
وقت اس کو کسی سے صاف کر لیتے ہیں۔ آپ کے شعر دیکھیے۔  
بکڑ کر یہ صحرا میں دکھلائی آئیکہ۔ ہرن بھی وہاں سے ہرن ہو گیا۔

کی بات کہا کہ اس کا ورہ پر عرش کا شہ صبح ہے اس کے لئے یہ بہت اچھا  
 ہے اگر نشہ والے کو کوئی کہے کہ نشہ ہرن ہو گیا یعنی نشہ جاتا رہا اور ہرن کے  
 واسطے بھی کہہ سکتے ہیں مگر چلے جاتے واسطے عام سمجھنے کے لئے بھیک نہیں نشہ کے  
 لئے خاص کر بہت موزوں ہے اور کہا کہ تمہاری رائے سے اتفاق ہے۔  
 کل برسوں تک اس کے فلم سے آپ کے اطمینان کے واسطے خط ارسال ہوگا  
 اور سب تحریریت ہے یہ کارڈ جوابی آپ کا مدت کا آیا ہوا تھا اسی پر اس وقت  
 عرفیہ ارسال ہے استاد سلام علیک فرماتے ہیں ۱۱ اکتوبر ۱۹۱۷ء

محمد یار خاں انرا امپور

اس کے بعد گرامی نامہ اور اصلاحی تحریک کا بہت انتظار رہا مگر بعد چند کے وہ غزل  
 بعینہ واپس آئی اس کے ساتھ بیل تسلیم صبر را امپوری کا ایک خط تھا وہ یہ ہے۔  
 محمد رمی مکر می جناب بہا یہ صاحب ادب عرض ہے۔ والا نامہ بھونچا  
 آگئی پانی قبلہ استاد ذی مظلہ العالی نے آپ کی غزل معہ رباعیات کے سننی  
 مگر کیا کریں نسل دیوار ہیں نظر بالکل بیکار ہو گئی۔ کانوں سے معذوریوں سے  
 و پاہی یا کل بیکار ہیں چلنا پھرنا سب جاتا رہا غزل وغیرہ سن کر بہت خوش  
 ہوئے۔ اور کہا کہ بھیک ہے۔ زیادہ غور سے دیکھنے کے قابل اب میں نہیں  
 رہا یہی لکھ دی۔

صبر را امپوری

قول فیصلہ۔ غرض اس نے طو پر ہیں نے اس شعر کو یوں بنا لیا ہے۔  
 گویا کہ صبر امیں دکھلائی آنکھ۔ ہرن کا نشہ بھی ہرن ہو گیا  
 چلے جھکا اچھا۔ اور اس گرامی نامہ تسلیم کو جو ۲۲ اگست ۱۹۱۷ء میں ملا تھا  
 استاد کی تحریر آخری جگہ میں نے بطور سیما یہ حیات رکھ چھوڑا ہے  
 وہ نیم جلی کل تک تحریر بھی نظر افروز ہو اگر کبھی آج ایسے معذوریوں کے  
 کہ ہم خروبان و در افتادہ کے لئے خواب و خیال ہیں۔ خود فرماتے ہیں  
 ترک ترک کے دم پیری دم آئینہ کیا کہئے۔ جینے کا یہ عالم ہے مرنے کا کیا کہئے

ناظرین پر او کی بکمر بستہ اور دماغی کیفیتوں کو میں نے صریح طور پر بیان کر دیا اب وہی مجھے بتلائیں کہ اس زمانہ میں ادنیٰ تحریر یا تقریر پر اگر کوئی خرد و مانع جامل معترض ہو تو حاکم نہیں دیکھتا ہے۔ شاید اپنی سمجھت کے لحاظ سے اس کے سروں پر یہ جن سوار ہو گیا ہے۔ بہر حال میں جناب ظہیر دہلوی یا دیگر ذوق کا ممنون ہوں کہ انہوں نے ازراہ حق کوئی ادس تحریر نہیں جو اغلاط احسن میں درج کرنے کو صبر صاحب کے پاس بھیجے اور استاد تسلیم کے احکام تسلیم ہوئے کا اعتراف کیا ہے معترضین کے اگر انہیں کہہ دیا کہ وہ ایون مقطوعوں ہی کو دیکھ کر نام ہوئے اور اعراض کا قصد نہ کرتے۔ تسلیم ہے

بدحواسی یہ بڑی ہے دم پیری تسلیم ہے اب جو کچھ کہتے ہیں یا رد کو سناتے ہیں پھر فرماتے ہیں تسلیم بدحواسی کا ہے اگر میری غزل میں نکتہ ہیں کوئی نکتہ صبر صاحب کو بھی لازم ہے کہ وہ ایسے جھگڑوں سے باز آئیں اور ان کو اگر کوئی خطاب ملا ہے تو اس لیے نہیں کہ وہ باعث فساد ہو

طریقہ اصلاح  
را تم کو امیر۔ داغ۔ جلال۔ تسلیم۔ مثلاً۔ سب کو طریقہ اصلاح کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ بلحاظ توضیح علامہ مثلاً کے عنوان اصلاح کو میں سب پر فوق دیتا ہوں مولانا ظہیر احسن شوق کو خدا جوار رحمت میں جگہ دے دیتے تھے کہ موجود اساتذہ بہنوں میں جو علمی قابلیت اور تحقیقات فن جناب مثلاً کو ہے کس کو بھی حاصل نہیں اور استاد تسلیم بھی اس خیال کے معترف ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں باوجود اپنی کیرسری اور کمزور دم کو قائم جانتا ہوں۔ چنانچہ استاد ہی حضرت مثلاً مدظلہ کا جب دیوان اول چھپا تو جناب تسلیم نے یہ ماریخ ارشاد فرما کر ملک پر علامہ مثلاً کی بابت اپنا خیال اس طرح ظاہر فرمایا کہ۔

زہے اوج کمال نوک شمشاد : کہ ازاد را یک حدش عقل حیراں  
 عیلم شاعری یکتا ہے عالم : بوالا گوہری پندل دوران  
 اپنے تیار کج کردم فکر سلیم : کہ ہاشم شیعہ موزوں کلاماں  
 بگوش از باغ غیب آمد آواز : بگو دیوان اوستا و سنجد  
 مگر جناب تسلیم کے عنوان اصلاح کا ڈھنگ کچھ اور ہی ہے یعنی دو چار  
 لفظوں کے رد و بدل میں شعروں کو چمکا دیتے ہیں۔ در د انگیزی جلفی  
 مضمون یہ حصہ انکا ہے۔ اور منہ بھی لوگوں کے اصلاح کے کام کے ہیں  
 اسنے کہ زیادہ ترجمہ شیعہ اور وضاحت یہاں نہیں۔ اور مولانا غوث دکنی  
 یہاں بال کی کھال پہنچی جاتی ہے۔ متروکات رشک کی پابندی الکت  
 وہاں۔ یہاں۔ وال۔ پے۔ وغیرہ کچھ نہیں اور کیا یہ خیال ہے کہ غچہ ہو غیب ہے  
 اور شاگرد باخبر ہو جائے۔  
 میں نے اوستا و تسلیم کو اول اول جب نزل اصلاح کو مرزا پور سے بھیجی تھی  
 تو آپ نے یوں تحریر فرمایا۔

گرامی نامہ تسلیم و غنائت فرماتے دوستان زراوا لٹاکم۔ بعد سلام  
 سنت الاسلام مظہر دعا ہوں کہ آپ کا غنائت نامہ مع ایک نزل کے آیا  
 حال معلوم ہوا۔ پہلے میں شکریہ اس بات کا ادا کرتا ہوں کہ آپ نے  
 عزت افزائی اور قدر دانی کی راہ سے مجھے اس قابل سمجھا کہ اسی بلند نزل  
 کو میں نظر اصلاح دیکھوں میں مراد آیا دیکھا تھا جب آیا تو آپ کا غنائت نامہ  
 دیکھا۔ اسی وجہ سے جواب پہنچنے میں دیر ہوئی۔ معافی کا ایسا وارہ ہوا کہ  
 اصرار سے نزل میں دو ایک جگہ میں نے دخل دیا ہے اسکو دیکھئے میرے  
 خیال میں آپ کو چند ان ضرورت اصلاح نہیں۔ آپ کا خادم امیر احمد سلیم

خاکسار کی طبیعت اوس زمانہ میں تیسرے مرحوم کے کلام کی دلدادہ تھی اور  
 رشک کے متروکات کی پابندی بھی اوستا و غنائت و مدظلہ کے حکم سے

کر لینا پڑی تھی اور اب تک ہو اور اسی قید کے ساتھ اوستا و تسلیم نے مستغفر

غیر اصلاح

رہی گایا و آچھنا وہ بن قتل کا مقصود : شفق سے جلا قاتل مرالاشم ہو کر

اصلاح از اوستا و تسلیم

آچھنا رنگ لایا تو قتل کا مقصد میں : شفق سے جلا قاتل مرالاشم ہو کر  
رنگ تصویر میں جو رنگ انیری اس حسیت بندش کے ساتھ کی گئی ہے اس سے  
شعر رنگیں ہو گیا ہے۔ **بِسْمِ اللّٰہِ** - غیر اصلاح

چہا صحر میں چاک دامن مجنوں غلامی : خطوط نقش پارہ رہ گئے تار و نو ہو کر

اصلاح

چہا صحر میں ناک اونے نہ چاک دامن مجنوں : خطوط نقش پارہ رہ گئے تار و نو ہو کر  
اس تصویر میں غرض شمس کو جس خوبی سے اوستا و تسلیم نے دور کیا ہے اس کو خوش  
شاگرد و ہرگز نہیں سمجھ سکتا ہے۔

غیر اصلاح - وہ مکان قابلِ خوشخوار ہے : جبکی ہر زنجیر و تلواری

اصلاح - وہ مکان قابلِ خوشخوار ہے : جبکی ہر عراب و تلواری

زنجیر اور محراب ان دونوں میں کیا فرق تھا وہ ظاہر ہے تلوار کی تشبیہ میں کس قدر

آبداری آگئی ہے۔ **وَاَلَا**

غیر اصلاح - آگندہ اونکی صورت منصور ہے : اور جو تار نظری دار ہے

اصلاح - اونکی تیلی صورت منصور ہے : اور جو تار نظری دار ہے

اس ایک لفظ کے رد و بدل میں کیا بات پیدا ہو گئی اسکی معنی شہادت کو

پہنچانی کافی ہے۔

غیر اصلاح - تجلای کج کر صورت بکھائی چاہی : جالبین مراد و دیگر

اصلاح - تجلای اور دہاؤ میں ایک بحث طویل ہے کیونکہ غلامت

مستدری ناسی ہے۔ نی - نہیں گوا کر لے ایسا ہی لکھا ہے۔

غیر اصلاح - عرش وہ جہو متا ہوا دیکھو : آ رہا ہے شراب خانے کو

(آنے سے جانے سے طرح بھی)

توضیح اصلاح - مرکب لفظ کو ہندی کرنے سے ہمارے ایستا دے منع کیا ہے  
مفرد کو مضائقہ نہیں - جیسے فسانہ - مرکب لفظ میں جو واضح نے ترکیب دیکر  
معنی قرار دیا ہے وہ جاتا رہتا ہے - جیسے شراب خانہ بمعنی خانہ شرب و خانہ  
ہندی ہونے سے ترکیب مقلوب نہیں رہی -

چند فوائد سخن :

یہ ساری تجنیس ملکی نفع کے لیے کی گئی ہیں ورنہ چنداں ضرورت نہ تھی  
(از گرامی نامہ سلیم) - تجنیس مشقی زرا و عنایت کم - بعد سلام منون کے واضح ہو  
دیوان آریکا بھونچا اور ایک لفظ بھی آیا - کچھ میں نے دیکھا ہے کچھ باقی ہے -  
رمضان کے مہینے نے بیکار کر دیا رکھیں کچھ موقع نہیں وں بھر نہ رہے - گیارہ  
بجے شب تک قرآن سننا شل کر دیتا ہے غنہ قریب دیوان آپ کا دیکھ کر  
روانہ کر دینگا - حسب دریافت عرض ہے کہ سورہ یسین و قصہ لقمان کے نون  
کا اعلان حالت اضافت میں جائز نہیں - اسکا یہ قاعدہ ہے کہ آخر میں نون  
ہوا اور ماقبل نون کے حرف علت واقع ہوا اور حرف علت کے ماقبل کی حرکت  
موافق نہوا و سوفت اعلان نون معہ اضافت جائز ہوگا جیسے دل فریون موجب  
حسین - الفت سبطین - قبلہ کوئین - کعبہ دارین - دیکھو ان لفظوں میں  
حرف ماقبل حرف علت کے موافق نہیں یہ قاعدہ مفصل پھر بکھولنگا -

محمد امیر المصطفیٰ

زمانہ ہوا میرے دیر نہ عینیت فرما حافظ فضل حق آزاد عظیم آبادی ناننگار  
الہیچ نے اک غزل چھپوائی تھی - گر داب دیکھا ہے - سرخاب دیکھا ہے - او نہیں  
انک مبرع تھا - ع - رنج ہمتاب پر چھپے ہوئے ہمتاب دیکھا ہے - میاں یعقوب  
افج کے جو اس عہد میں میرے معتمد تھے اس غزل پر غزل لکھی تھی اور

اور لاہور پنج کے ذریعہ سے آزاد صاحب سے چٹنگ لکائی بالآخر قصہ طویل ہوا۔ اور آزاد صاحب کو میر سے اس نااہل شاگرد کے آگے ہفت ہوئی۔  
(گرامی ناسخ) بھی مشفق زاد عنایتیم۔ بعد اسلام سنت الاسلام کو منظر مدعا ہوں۔ جہتاب ابھی آتش بازی رافعی موٹ سے جوشعراپنے کیسکا بکھا ہے اوس میں موکیکا ہے غلط۔ واپسی ہے چاہیے جس لفظ کی جمع ی۔ ن۔ کے ساتھ بنے وہ اکثر موٹ ہے جیسے بلیں۔ دیواریں۔ وغیرہ  
امیر السیلم از لاہور ۲۴ دسمبر ۱۹۰۷ء

آنداد کی تحقیقات فن کی نسبت مولوی ظہیر الحسن شوق نیوی کی طولانی بحثیں موجود ہیں۔ اتنا ضرور ہے کہ ہمارے صوبہ کے آزاد و عظیم آبادی کی ذہانت مولانا حالی یا اکبر حسین لالہ آبادی وغیرہ سے کم نہیں اگر بڑی ترائش کی غلطیوں خوب سمجھتے ہیں۔ بالمشائی شاعری اور تحقیقات فن اور خیرو قتل پندر ایک باریں نے جو بن یعنی پستان منظر کیا تھا۔ دوسرے جناب تسلیم نے لکھا کہ بیانی ذلی والوں کا یہ مذہب نہیں ہمارے یہاں یہ نقطہ معنی حسن پایا ہو البتہ منشا میر احمد صاحب کے یہاں یعنی پستان ہے میں اسکو بہار لاہور حسن کے معنی میں جایز دیکھتا ہوں۔ فاقہ کی صحتیں

بہار معصری میں نواب اصغر علیاں نسیم کی مقبولیت لکھنو میں ناسخ مرحوم کے بعد ہوئی۔ شیخ امام بخش ناسخ جو بھنگو کی شاعری کے جان اور شعرا کے امام مانے گئے اونکا تذکرہ نسیم نے اپنے دیوان میں اکثر کیا اور انصاف کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ناسخ منفقور تھا اور مستاد کا نسیم بھنگو والوں میں وہ سب سے نرا لایا گیا ناسخ کے تلامذہ میں بجز رشید۔ خواجہ۔ فزیر وغیرہ جناب نسیم کے ہمعصر تھے اور بوجہ کبیر سنی جناب تسلیم بھی ان اصحاب کے ہمعصر کہے جاسکتے ہیں مگر



نسیم کی شاگردی کے لحاظ سے میں اس کو پیشہ گوئی کرتا۔ مگر شحات صغیر  
بلگرامی میں جسکی ترتیب عہد غالب۔ و بجز۔ رشک و اسیر وغیرہ میں ہوئی تھی  
اوس میں انہیں حضرات کے نام کے ساتھ ساتھ جناب نسیم کے شعروں  
کی بھی پسند موجود ہے جس سے اوس عہد میں نسیم کا مستند ہونا ظاہر ہوتا ہے  
اگر یہ اوس کے ہمعصر نہ ہوتے تو ان کا نام بھی امپوزن نہ۔ جلال وغیرہ کی طرح  
وہاں پر نہ ہوتا۔ یہ رسالہ غالب کی تقریظ سے سراپا مستند ہے کسی اور  
کی تصدیق کی ضرورت بھی نہ تھی۔ بہر حال ان سارے وجوہ کے موجود  
رہنے پہ بھی بحال نسیم میں نسیم کو عقلی۔ قبول۔ برقی۔ منیر۔ اسیر۔ زند صبا  
وغیرہ کا ہمعصر بننا مناسب جانتا ہوں گو فرط بحر سے آپ نے اپنے کو ان تمام  
صاحبان فن کا فاعل تصور فرمایا۔ یہاں تک کہ اپنے ہمعصر استاد ہمایون کو  
بھی اپنا مخبر و مکرّم جانا۔ یہ چند کہ زمانہ نسیم کو چکا کہ آپ خاندان نوسن  
نسیم کے چشم و چراغ ہیں۔ مگر منشی اشرف علی صاحب کو نسیم کا کٹ گرد  
اول تسلیم کرنا ہمیشہ واجب التوقیر خیال کرتے رہے۔

از گرامی نانہ نسیم۔ عنایت فرمائی دوستان زاد الطافتم۔ بعد سلام سنون  
کے منظر مدعا ہوں منشی اشرف علی صاحب خوش نویس نسخ و تعلق منشی  
نوکشور کے قدیم ملازم ہیں اور مرزا نسیم مغفور کے کٹ گرد اول۔ بہت کچھ  
کہا ہے بہنو اشرف آباد میں رہتے ہیں۔ امیر السعد نسیم

اکثر یہ بھی فرمایا کہ منشی اشرف علی کا پایہ تلامذہ نسیم میں بہت بلند ہے  
بندہ خدا سے بہت کچھ کہا مگر بستے کے بستے بند ہے پڑے ہیں اگر کلام  
ان کا جمع کیا جاتا تو دو تین دروان ہوتے۔ (منشی صاحب موصوف کو میں نے  
بھی بہنو نسیم دیکھا تھا آدمی منکسر تکوین سال ہوئے کہ بہنو کا یہ مخفی جیسا  
کمال نہایت گہائی کے ساتھ دینا ہے۔ اچھے گہا حیات نسیم کے موصوف لاہور  
میں جو انکو مصطلحات زبان اردو کا مصنف عطی سے تبارک یا ملے وہ پہلے

اشرف علی نہیں ہیں وہ ایک دوسرے بزرگ کشمیری تھے اودہ اخبار کے علمبردار تھے۔ منشی اشرف علی صاحب کی کئی ہونی تارکین شیعہ و کتبہ اسے قدیم مطبوعہ مطبعہ نو لکشتہ میں موجود ہیں عاشقانہ شعروں کے لحاظ سے مجھے صرف یہ دو شعر یاد ہیں۔

روح نکلی تن سے جب بیکل ہوئی : یوں شبِ نوبت کی مشکل حل ہوئی  
دید کی حسرت رہی دل میں میرے : تیغِ ابرو سے لظہرِ کابل ہوئی  
ابنِ نبوت علامہ حضرت شمس اوزنگی محلی فرماتے تھے کہ میں نے صغیر سنی میں شیخ امیر المصاحب تسلیم کے ساتھ دیکھا تھا۔ آدمی غایت خلیق تھے پرانی وضع کے لوگوں کا کیا کہنا۔ کہتے ہیں کہ ان دونوں صاحبوں کو کچھ جو کچھ ایک کتب فروش کی دکان میں بیٹھا ہوا دیکھا جو کچھ دیکھ کر کہنے لگے تھے پھر شعر اپنے پڑھوا دیکھے اصرار پر جو کچھ یاد تھا میں نے پڑھ دیا کہنے لگے کہ یہ ہر کار ایک زمانہ بڑا ماہر بن ہوگا۔ چنانچہ واقعی خاندانِ ناسخ میں آپ کی ذات مقطع سخن سے خود فرماتے ہیں۔

ما حشره مقطوع نہ ہونا نسخ کا سلسلہ : شمس اوشاعری ہے اسی خاندان  
نسیم کے شاگرد ہیں۔ اشرف۔ مجدد اسد خاں محرم۔ مرزا چوہدری عاشر  
وغیرہ جنابِ سلیم کے ہمعصر تھے مگر مقبولیتِ نفاذ ادا۔ جنابِ تسلیم ہی کو حاصل ہوئی۔ اگر منشی علی صاحب خوشنویس کہتے ہیں کہ جنابِ اشرف کا  
جسیر کلام جو ان کے پاس ہے چہرہ ایں نواہن کے خیالات کا اندازہ بھی ہوگا  
مگر اؤنس میں اکثر ذہنِ جنابِ سلیم کا ہے اور ممکن ہے کہ اوسے بستے میں نواب  
احمد علی خاں کے ہاتھ کے اصلاحی خطوط وغیرہ بھی ہوں۔ ان چیزوں کو اب  
زمانہ اور سببِ طرہ نہیں دیکھ سکتا ہے اس لیے کہ جو کچھ نوشتہ اور کلامِ مستقیم  
کے پاس تھا ہمہ دیوانِ اصلاحی شہد کے غدر میں جیب لکھنے سے بیکل ہو گیا۔ ایک پرزہ بھی جنابِ سلیم کا باوجود تلاش نہ ملا اور ان کو نہایت افسوس

جناب تسلیم مرحوم کے دفتر خاص کے تلف ہونے کا ہے جس میں مومن  
خاندان صاحب کی سبکی تصنیف کی نقل ہی ہے جس میں سب سے بڑی وجہ شبہ  
کی تھی۔ یہ وہ سندیہ تھا جو ہمیشہ مومن خاندان صاحب کے سینے سے نکل کر نگہ  
میں محفوظ رہا تھا۔ افسوس کہ قوم کی ناقدر دانی سے یہ چیزیں عالم وجود میں آکر

تغفہ ہو گئیں ہاں یہ طوف ہر محل کر نیلے صفت گردیم : ہم پس مرگ ہی قربان گشتاں ہونگے  
نسیم کے تلامذہ میں مہر کی بابت استاد تسلیم فرماتے ہیں کہ عبدالغیاث مہر  
خلف مصلطیٰ خاں صاحب مطبعہ بانو قیر تلامذہ نسیم میں تھے۔ ان کو پہلے نسخہ  
کے ایک شاگرد کی شاگردی حاصل تھی جب نسیم پتھنوی میں آئے اذرا دانی  
ورد انگیزی کلام کا شہرہ ہوا تو یہ بھی اسی بارغ کے گل چین ہو گئے۔ زمانہ قیام  
کلکتہ میں نشان سے خوب خوب چہرہ رہی۔ کہتے ہیں کہ کلکتہ کے مٹ غوہ میں جو  
کچھ پڑھا ہمیں سنایا تھا پتھنوی یا وہیں صرف ایک مطلع مہر کا یاد ہے  
پتھنوی آپ سانی و تقریر کی کیا لیتے ہیں : ہم سخن ساد کو باتوں میں بنالیتے ہیں  
منشی اشرف علی صاحب کی نسبت کہتے ہیں کہ بعد مرگ نسیم محبت کی راہ سے ایک  
روز اپنے چند شعر بچے سنائے تھے جب یہ مطلع پڑھا

گو فصل گل آئی ہوئی جنبش نہ ذری ہی : اللہ بڑا قہر ہے بے بال و پری بھی۔  
تو میں نے کہا کہ بہائی۔ ذری نہ بھکا کرو اس لئے کہ ذرا بھفت ذرہ کا ہے اس کو نہیں  
اور بھفت بہ یائے ثانیث کر دیا۔ تو منشی اشرف علی نے اس مطلع کو اپنی غزل  
سے نکال دیا۔

جیسا کہ زمانہ قبل و حال میں مبصروں کی چہرہ چاڑھ مشہور ہے آپ نے  
ہمیشہ اس ریشگی فن میں اپنے دل کو رنج سے پاک رکھا کوئی صحبت کوئی جذبہ  
کوئی مایہ زنی آپ کے دور میں نہیں گذر جس نے محبت کے ساتھ ہنس نہ ہو  
آخر زمانہ آج بکا را مہجور کے مجمع ماہران فن میں گذر اہماں ہر مزارج کے لوگ مہجور

تھے بہا نیک کہ خدا بخشے حکیم ضامن علی صاحب جلال کہ انہی نازک مزاجی  
 میں میر تقی مرحوم کے نام کو زندہ کرنے والے تھے انکے ساتھ گوشتوں  
 نیموی شاگر و تسلیم کا طولانی جھگڑا ہوگا اس جھگڑے میں بھی جناب  
 تسلیم نے مرحوم جلال کی محبت کو نہ چھوڑا اور اس فساد سے بالکل الگ  
 رہے جب جلال تبرک راپور کے بعد پہنچے چلے گئے تو وہاں ہی جب  
 کہہ ہی اوستا و تسلیم کے مرحوم سے ملتے جلتے رہے - غرض یہ کہ جناب  
 تسلیم کا بغیر نمائشی نہیں اپنے کو بوجہ کریمہ نفسی ہمیشہ بے حقیقت حنا  
 اور شعروشاعری کے اخباری چہرہ چار میں اپنی ذلت سے ہرگز شرم  
 نہ ہوئے۔ اگر مقضائے انسانی شایدا اپنی عمر کے کسی حصہ میں ایسا  
 ہوا بھی ہو تو وہ رنج آپکا کسی ہوا کے جوئے سے زیادہ نہ ہوگا۔ کیونکہ  
 آپ نے حسن اخلاق کا نام بقائے دوام رکھا ہے اور اتنا شباب  
 چل باہر وقت زیاں پر بجائے ان مہنگاموں کے ہی رہ گیا ہے۔  
 چوڑ دینا کو سوئے ملک عدم میں تسلیم پر راستہ دیکھتی سے گورنریاں تیرا  
 ان کے مزاج تک تو انکا کوئی بھی شاگر و نہیں بھوسچا بگایاں کی یہ ہے  
 کہ جب ایسا جھگڑا انکے شاگردوں نے چھیڑا آپ نے برابر سمجھا یا اور  
 منسحب کیا اگر زمانہ حواس میں بلبل تسلیم والی تکرار ہوتی تو ادھونکو ہی آپ نے  
 روکا ہوتا۔ میرے ہوا خواہوں نے جولاہور بیچ میں چند سال تک  
 داغ سے چھیڑ نکالی تھی چھکواس کی بابت براہر لکھا کہ کوئی کچھ کرے تو  
 الگ رہ۔ احباب میں ہی جب کہہ ہی پیش کر دینی ہوئی آپ نے وہیں  
 رفع شر اور فہمائش کے پہلو نکالے یہاں تک کہ عہد آغا علی شمس  
 میں جو شکر رنجی درمیان نہ تھا۔ دشتری اور شمس مرحوم کے ہوئی  
 ہی اوستا اس فرقہ غیر مانوس کے نام فہمائش کا بہرہ باخط لکھ کر  
 صلح ہوئے وہ نامہ نامی کلیات تسلیم میں موجود ہے اس قصہ کی تسرت

یوں کرتے ہیں کہ۔ آغا علی شمس سے میری ملاقات تھی مرد شہر اسجوا  
 بہا نواب محمد علی خاں سالار جنگ کے پاس اکثر آیا جاکر تا تھا ایک شاہی  
 محل کا داروغہ بھی تھا۔ زہرا دشتی کو فارسی پڑھا تھا۔ رہزانی آخر  
 کو کسی سے بھگنوں میں نکاح کر لیا اور دشتی راہپور میں دو تیس روز بیہ ہالو  
 کی نوکر ہو کر چلی آئی۔ اویسی زبان میں وہ نامہ منظوم میں لے بکھا تھا  
 اویسیا تسلیم سی با وضع شمسے شخص لے یہاں پر صرف حافظ کے اس شعر  
 کی تقلید کی ہے۔

اساںیں دو گیتی تفسیر این وقت : با دوستان تطف ما دشمنان ملا  
 آپ کے سامنے اجاب کی بے فکر یوں کا عجیب عجیب زمانہ گذرا۔ عہد  
 بیخوشی اور رشک شاکر و شہید تاریخ میں جو اشعار کی ہوا چلی تھی  
 اور کی مخالفت جاننا صاحب ریختی گوئے کی یہ سب واقعات کے  
 سامنے گذرنا قافل کی شاعری کی بہار آپ نے خوب دیکھی۔ تامل سے  
 چہرا چلا فلک بہ بت خانہ جنگ : چہرہ مانے نیل گاؤ پرتا فلک  
 رشک کی مشہور غزل۔

چاول الماس گوشت کھت جگر : وقت یار میں بلاؤ نہیں  
 اس کے مقابلہ میں جو متعدد اشعار جاننا صاحب نے بکھر رشک کے  
 نام مشہور کیے۔

دور سے چہرے بلاؤ نہیں : رشک پٹھان بے بن بلاؤ نہیں  
 یا منیر مرحوم کے ایسے اشعار سے عظیمہ پر تیرے بڑے گری کی چڑیاں تو تھیں  
 یہ سب آپ کے سامنے کی گفتا نیاں ہیں۔ آپ زمانے ہیں کہ اسی  
 زمانہ سے اہل بکھتوں نے استعارہ کو ترک کرنا شروع کیا اور مرحوم  
 رشک کہ تاویلات اور استعارہ کا بادشاہ تھا اپنی جدت کلام کی  
 مضمونیت میں محروم رہا۔ رشک کو اس رنگ میں استعارہ دخل تھا

کہ جب منیر شاہ کو آپادی خدمت ناسخ میں بغرض اصلاح گئے تو دو چار غزلوں کی اصلاح کے بعد اون کو رشک کے حوالہ کیا اور فرمایا کہ بھیکو او نہیں کی ذات سے فائدہ بھونچے گا۔ مرحوم منیر کی بابت فرمایا کہ میں کہ یش کوہ آباد کے تھے ناسخ کے بھی شاگرد تھے اور رشک کے بھی راہبور میں بہ زمانہ کلب علی خاں ملازم ہوئے اس سے قبل فرخ آباد میں اور دوس سے پھلے نواب علی بہادر کے ملازم رہے زمانہ خدمت میں بھگت مریم بغاوت کا لے پائی بھیج دئے گئے تھے پھر وہاں سے راہبور گئے۔ طبیعت زبردست۔ معلومات خوب تھی۔ ہر رنگ میں قادر تھے اپنے اوستاد کے رنگ میں بھی کیا کرتے تھے۔ دوادین ان کے راہبور میں چھپے اب کم یاب ہیں۔ میں نے ان کے طبع دیوان کی تاریخ بھی تھی

قطعہ

زہے ادب ہر کمال منیر : ملی اہل فن میں کسے شان یہ  
چھپے تین دیوان ایک سالیہ : مراجعی نسبت ہے ایمان یہ  
دل و دودہ اہل تحقیق میں : فصاحت بلاغت کی تیر جان یہ  
کہا فلک تسلیم نے بہر سال : چھپے خوب پیشل دیوان یہ  
واجد علی شاہ کے مشاعروں کی بابت کہتے ہیں کہ جناب رشک بھی  
شریک ہوتے تھے۔ رشک نے ایک مرتبہ فارسی محاورہ میں پانی  
کا لفظ باندھا تھا بادشاہ نے کہا کہ جب پانی فارسی ہے تو اردو میں کیا  
کہینگے رشک نے کہا نم۔ بادشاہ نے فرمایا ابھی تک بچن نہیں گیا  
(بچے پانی کو نم کہتے ہیں) بادشاہ کو یہ لفظی دست اندازی اس قدر  
ناگوار ہوئی کہ حکم دیا آئندہ رشک میرے مشاعروں میں نہ آیا کرے  
شاعری اور شاعروں کی اس سے بدنامی ہے۔  
جان صاحب کی بابت جناب تسلیم فرماتے ہیں۔ کہ نواب عاشور

علی خاں کے شہسوار الدولہ کی اولاد میں نہایت سخن فہم رئیس تھے  
مگر سنی شاعرہ کی کبھی شرکت نہ کی نہ کسی کو اپنا کلام سنایا۔ اپنے بیان  
جان صاحب۔ چرخ کین۔ بہتر۔ کہندی وغیرہ جس ہوایک لے تھے نواب صاحب  
مفتی کے متعجب کہہ کر اداں لوگوں کو دیدیا کرتے تھے اور یہ لوگ  
اس ذریعہ سے مشاعروں میں شریک ہو کر لوگوں کو خوش کیا کرتے  
تھے بہتے ہیں کہ جال صاحب قوم کے بڑھئی تھے۔ میر یا علی نام تھا۔  
شرف الدولہ کے مکان کے متصل حسین آباد میں رہتے تھے۔ ان کو  
نواب عاشور علی خاں نے اوسے رنگ کا پتلی گوشا بنا دیا۔ آدی بے  
علم تھے۔ نواب دروازہ کی آمد و رفت میں شہسوار ہو گئے یہاں تک کہ عہد  
کلب علی خانی میں رامپور آئے اور بیس روپیہ خواہی سرکار سے مقرر  
ہو گئی۔ مگر محتاجی میں بسر ہوئی۔ ان کے لوگ ہنوز رامپور میں خراب  
حالت میں موجود ہیں۔ جال صاحب ایک بار بوجہ بھگوانی کے زیر عتاب  
واجب علی شاہ ہو گئے تھے شہر بدر کر پئے جانے کا حکم بھی حکم تھا چند  
مقررین کی سفارش سے حکم منسوخ ہوا۔ جان صاحب کے ناکہ حکم کو کیا نہیں ہے  
سناتھا بہت خوب پڑتے ہیں خبر نہیں کیا ہوئے کہاں گئے یہ سختی میں  
کمال ہے

امانت کو بھی جناب تسلیم نے خوب دیکھا۔ کہتے ہیں کہ یہ انار بہایت  
واسوخت۔ پھر بال وغیرہ بہت خوب کہتے تھے۔ فرمائے ہیں کہ ان واقعا  
کو زمانہ ہو گیا کہ اب اسکی یاد کچھ سینے میں باقی نہیں۔ (امانت کے  
بیٹے سید عباس حسن صاحب فصاحت ہنوز کمزور ہیں موجود ہیں اور  
ہمارے غالبانہ مہربان خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت سیکر بھی  
انجمن اصلاح سخن کی تحریر سے اس زمانہ میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ فصاحت  
لکھنؤ کے بابر و شعرا میں داخل ہیں اللہم زد و زد۔)

## وضع اور مذہبی عقائد

پرانی چال کی وضع تقابست اور وجاہت سے معلوم۔ اب عمامہ باندھنے لگے۔ پہلے دو پٹری کلاہ رکھتے تھے کہی چکر دار ٹوپی رہی۔ اچکن اور عبا پہنتے ہیں اور ڈوبیلا ڈھالا پاجامہ ہمیشہ سے۔ قد و قامت صورت سب باہت پر سپاہیانہ و مہم۔ اب ڈاڑھی زیادہ بڑھادی۔ پہلا ٹوٹو جیات تسلیم مطبوعہ لاہور میں چھپا اوس وقت تک ڈاڑھی اوسط درجہ پر تھی۔

عقائد شیعہ حنفیہ کے ابتدائی عہد سے پابند۔ صبر و رضا و قناعت جوشیوہ بزرگان قدیم کا تھا آپ میں پورے طور پر موجود ہے۔ کبکرواہل کبکرواہل سے ازلی نفرت۔ اسلامی پابندیوں میں مشکل کوہ قایم وثایت۔ بعد از صبح و ظہر بلا ناغہ و درتہ تلاوت قرآن اور کثرت در ووشرفین لازمی۔ دوران علالت میں بھی منازار اور وظیفہ کو کہی ترک نہیں فرمایا۔ یہاں تک کہ شدت مرض اور عالم بے ہوشی میں بھی زبان پر آیات قرآنی جاری رہے۔ اب کا کیا ذکر ہے اس وقت تو آٹھ پھر در ووظایف کا مشغلہ ہے جسکی عینی شہادت کو تیسرے دیوان کا فوٹو موجود ہے۔ انگریزیت پہوئے سحر بھی آپ کے دامن تک کہی نہیں آئی۔ یہاں تک کہ فوٹو کیا بلا ہے اب اس زمانہ میں اوس سے بھی واقف نہ تھے۔ جب خاکسار نے اول اول بڑی ضد کی تو آپ نے بچھا کہ بہائی میں شاہی زمانہ کا آدمی ہیوں یہ بھی نہیں جانتا کہ فوٹو کس طرح کھینچا ہے کیا ہوتا ہے پہر بھی تیسرے تقاضے پر راسپور کے ایک مصور کے پاس گیا تھا اوس سے خدا جانے کیوں تصویر نہ کھینچ سکی اس شرم سے بندہ خدا نے ملاقات ہی ترک کر دی اب قصد ہے کہ مراد آباد کے حکم کی تعمیل کروں۔ یہاں تک کہ سینکڑوں تقاضے پر آپ مراد آباد گئے اور سولہ روپیہ میں خدا جانے کس تیسرے نے مین تصویریں کھینچ دیں جن میں دو سچے بھی ہیں ایک کوئی اور کے گیا میں نے اس نایاب



شے کو غنیمت جان کر بندہ رخصت جرات تسلیم مطبوعہ لاہور ایک تو مستحکم کر دیا اور  
ایک چوکھٹے میں لگا کر رکھی ہے۔ اسی کو بغرض یا دگار زمانہ میں لے ایک غزل  
میں منظوم بھی کیا ہے۔

تسلیم کی تصویر ابھی ڈاک میں آئی ہے: اے عرش وہ دستا کا جلوہ نظار

### اولاد و اقارب۔

پھلی بی بی سے آپ کے ایک صاحبزادے مسنی بہ حافظ تاج محل حسین ہیں۔  
یہ لکھنؤ محمود نگر قریب مقبرہ اسد شاہ ہنوز مقیم ہیں۔ یہ حافظ قرآن تھے شباب  
کے لاؤ بانی زمانہ میں بھول بھال گئے۔ جس کا سخت صدمہ دستا و تسلیم کو ہے  
دارستہ مزاجی کے سبب سے شادی نہیں کی جیشہ آزاد و ور ہے۔ علم  
مناسب۔ باعتبار خوشنویسی کمال ہیں خط بہت صاف ہے اسی ذریعہ  
سے کچھ پیدا کر لیتے تھے اب آنکھوں کی معذوری سے جو طحاظ عموماً ہو گئی  
پوڑ ہے باپ کے بالکل محتاج ہو گئے شعروشاعری سے انکو کوئی تعلق کسی  
وقت میں نہیں رہا۔ دستا و تسلیم پہلے سات روپیہ ماہوار بھجوا دیتے تھے اب  
کہ نواب والا جاہ نے پشن میٹر کر دی ہے بارہ چودہ روپیہ ماہوار بھیجتے  
ہیں دوسری شادی جناب تسلیم کی بھینویں ہوئی۔ یہ برابر رامپور میں رہتے  
تھیں انسوس کہ کئی برس ہوئے دم پیرانہ سالی دستا و تسلیم کو دل و مغار  
دیا وقتاً ہیضہ میں مبتلا ہو کر قضا کر گئی۔ داغ غصہ لہا۔ اون کے انتقال کی تاریخ ہی  
ایک قدیم ماما اون کے ساتھ کی رہ گئی تھی بہت کچھ بعد ان کے اون کے حق تک  
ادا کیا وہ عریب بھی اون کے بعد ہی چل بسی۔ جناب تسلیم اب بالکل تنہا  
رہ گئے۔ اس بی بی سے کوئی اولاد نہیں۔

رشتہ واردوں میں آپ فرماتے ہیں کہ میرے والدین بھائی تھے ایک  
بھائی مسٹر محمد قاسم لاؤ لدم گئے دوسرے محمد ارمیل تھے۔ اون کے بیٹے کریم  
تھے اون کے والد اس کے ہنوز سوچو ہیں۔ ایک مطلب عالم قصبہ گوندہ میں کہا کہ

پارٹنر روپیہ ماہوار کے محافظہ فیزیہ میں دوسرے صاحبزادے بدر عالم مدرس اسکول  
ایگزیری ہیں انکو لائف ملے ہیں قطب عالم صاحب کا ایک لڑکا ظہیر عالم نامی بی۔ ای  
میں تحصیل علم کرتا ہے۔ یہ سب خوشحال ہیں۔ مگر افسوس کہ کسی نے جناب  
تسلیم سے رکن خاندان کا نام روشن نہ کیا۔

مدرس صاحب نے جنکا ذکر اوپر آیا ہے یاد آتا ہے کہ طبع حیات تسلیم  
لابور کے موقع پر جج کو ایک گرامی نامہ لکھا تھا اور یہ ظاہر کیا تھا کہ گو جناب  
تسلیم کو یاد نہ ہوگا مگر میں اوسکے عزیزوں میں ہوں۔ اور صاحبزادہ محمد مجتبیٰ  
کے سفر فرزند سے تو براہ راست ہیں اور میں اوں کو بہر طور واجب التعمیم جانتا  
ہوں اور ظاہر تھی تلامذہ اوستا تسلیم سے عرض ہے کہ ہلو گوں پر اوںکے حقوق  
ضرور ہیں انکا حاضر و غائب ادب اور خیال چاہیے۔

بجز ان حضرات کے نزدیک و دور کوئی اوستا تسلیم کا باقی نہیں بچا وہ فوق  
اسے شمع تیری عظیمیتی ایک ات۔ رد کر اسے گذار کہ منہ کر گذارے

جج کو بڑا شکوہ عزیزان تسلیم سے ہے کہ اوستا تسلیم کو جو اس زمانہ آخرین و غیر  
آخر زمان نظم بالملک اشعر ہیں اُن لوگوں نے نہ بھجوانا نہ اونی کسی نے خبر لی جسکے  
لیئے آج غیر انسو بہار ہے ہیں اوسکا کوئی اپنا پر ساں نہیں۔ اس زمانہ میں جو  
لطف اہلیت و خدمت کہ اُنکے دیرینہ شاگرد جناب محمد یار خالص صاحب ناظر  
عدالت رامپور کے ہاتھوں حاصل ہے کسی اور سے نہیں اور اس اعتبار  
سے اس اہل شاگرد کو میں شاگرد نہیں کہہ سکتا بلکہ عصا ہے پیری۔ اور  
اولاد کہتا ہوں۔ خدا کی عمر و اقبال میں برکت دے کہ اس بے کسی میں اوستا  
کے لیئے آپ کی ذات عنیت ہے۔

### فیض خواب

آپ فرماتے ہیں کہ بعد انتقال تسلیم میں نے اُنکو کہی خواب میں  
ہیں دیکھا میرے اس مطلب کی نسبت۔ اوستا تسلیم

مرکے بھی شعلہ نشان ہو دل پر درد مڑا، مگر میاں کرتا ہے ایتیک نفس سرور  
جو کہ شہ ہور سے غلط ہے۔ نہ میں نے اس پر تسلیم مرحوم سے خواب میں اصلاح لی  
نہ اس کی بابت کسی سے کوئی ذکر کیا خبر نہیں کہ یادگار بقیہ غم میں یہ واقعہ کس شاگرد  
نے لکھ لیا۔ سوانح نگاروں کو ذاتی تحقیقات یا اور مختلف طور پر بحث کی عادت  
تو ہوتی نہیں معتبر خواہ غیر معتبر جس طرح پرچون لیا لکھ ڈالا۔

کہتے ہیں کہ روحانی فیض کا میں ضرور قابل ہوں ایک مرتبہ کا واقعہ ہی کہ میں  
شعبی صبح خنداں لکھ رہا تھا دیکھا کہ چراغ جل رہا ہے اور میں ایک مقام کو پڑھ رہا  
ہوں موسیٰ خاں اسکنہم العدنی فرادیس الجناں تشریف لائے اور غیبی کہا کہ مطلب  
سے اس قدر دور رہا تا تک کہ میری آنکھیں کھل گئیں اور میں نے شعبی کو نکال کر  
دیکھا تو واقعی اس مقام کے متعدد اشعار پسند نہ آئے اور میں نے اونکو نکال  
ڈالا۔ اس زمانہ کے لوگ خواب کو خیال تصور کرتے ہیں اور ایسی باتوں کو  
ضعیف لا تعقادی پر محمول فرماتے ہیں تسلیم

جناب تسلیم کی شاعری لکھنو کے خطہ شاعر خیر میں پیدا ہوئی اسکی پرورش  
بڑے ناز و نعمت کے ساتھ تسلیم یا دو گار موسیٰ کی گود میں ہوئی جب یہ جوان  
ہوئی تو تسلیم کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ لکھنؤ والوں کی صحبت میں لی  
کی سادگی میں کس قدر حیدری ہی آگئی عہد ندر میں جہاں خلقت کی  
خلقت لٹ گئی یہ بھی تباہ و برباد ہو کر گھر سے نکلی اور اپنے کہوت کے آخری  
زمانے میں راہ پورا آئی۔ یہاں کی آب و ہوا کس قدر مواتی تھی مگر میرا نہ سانی  
کا غلبہ ہوا یہاں تک کہ اب سو برس کی بڑھیا ہے کہیں کبھی جوانی کی ان بان  
دکھا جاتی ہے اور یہاں کہ اس عہد کے نوجوان سے دم خم میں رہے سہے  
بوڑھے اچھے ہیں۔ اب دیکھئے کہ اس عیب کی مٹی کہاں کی ہے۔ صحیفہ  
انسوس کہ مجموعہ افکار اول غدر میں ہمراہ اثاث البیت لٹ گیا اور



منو خطا ہوئی۔ بوسہ لیونکا کون پاتا ہو ۶۶  
 ہرنگ بوسے گل عریاں بسر کی بلبل عالم ۶۷  
 میں وہ آتش قدم ہوں گرمی رفتارے میری ۶۸  
 اثر کرتی نہیں اگلے کو صحبت بہت فطرت کی ۶۹  
 ادب آئینری دست جنوں طرفہ تماشا ہے ۷۰  
 چمکا آتما ہے سوئی کا دامن سر گر نیا نسکا ۷۱  
 مقابل کج ہے شکستہ اہل معنی سے

خدا یا ابرور کہنا تصدق شاہ مردانکا  
 طریقہ نظم بطریق رباعی در زمانہ کتابتیں نو کشور  
 کوئی خلق ہوا زہد و عبادت کیے لیے ۷۲  
 ہم سب نامہ تھے مانند قلم اسے شکستہ ۷۳  
 تنہا نویسی میں آپ نے تعلیم کے رنگ کی تقلید کی ہے متعدد و تنویر  
 یکہیں جو بکینہ والوں کے رنگ سے بائیں لگے ہیں۔ تنہا نویسی نامہ تعلیم عہد نسیم میں  
 رقم فرمائی اور قصہ محمود و غزوی کو منظم کیا جسکو شکوہ دہلوی وغیرہ نے بھی لکھا ہے  
 عنوان بیان کا اندازہ اس باب سے ممکن۔ (سیر پا)

جو دیکر شکل اوس نور خدا	ازباں مشتاق ہوئے علی کی	ایکلی پاکے شب بخوش خلق	المیٹ جانی ہے تصویر تعالیٰ
ازباں مجھ کو اس بل ترانے	نظر نا آشنا کی ہر دے	ستارہ کو بچھو چشم بینا	نہیں شب کو نکلتی ماہ سیما
چہیں صفا کیا ہے ہر	نظر آتی ہے شکل رخ سے	یہاں ہے شوق نا ز دہری کا	سرا پایا ہے ابھی عالم پر سیا
کے گرامہ صفت مونس ہو	ہر گام نقطہ حیات ہو جس	جیسے در لعل سے کیے نورانی	ترب صبح ہے شام نورانی
میں اردو کی پیمتہ ہے ہر دم	کبھی ہے تیغ بہر قتل عالم	جو بچھے رنگ چشم سر سیا	کیے گرد و آہ ہے پیدا
کہاں ترکان پر گشتہ نور	کھٹ و مستعدا ہے ہر پیر	میں خوشیم و بنا نہ کچا ہے	آہ میں یا برگ کی سیا
منور و درخشاں نور	بہر شکل آفتاب و جود ماہ	یکہ ل کیا سرخی یا قوت بہتہ	خدا لایا ہے غصہ بید
زبان کو شکوہ قید سخن ہے	گہاں خال ہے زمان و کج	دور و دہاں سے سر	ہے آہ گہ میں شایا
اگر دیکھے گویا جود	چہاں ہے ہر صراحی اپنی گویا	نہاں ہے نہاں کتہ آفرین	کھل ہے لو کو کھس گھر چرخ

لکھوں گرو صف دست سرخ چہاں فرم دگل خوش شفاخ مرچاں دو پستان یا جاب بحر ہستی  
 نہیں ہے ناف ہنگام تماشا نظر تہا ہے عکس چشم بینا خیال نازکی سے بچ کھایا لکھک سایہ گیسو د آیا  
 چنا پیکر پاؤں ہر ایسی ہوتی اوسے جب کہ کو تیروں سے لگی ہو

لیجئے زمانہ کہوت ہی ختم ہوا۔ اب اوس شاعری کے عنوان بیان کو ملاحظہ  
 فرمائی جو عمر کے لحاظ سے صد سالہ ہے۔ جائے تعجب کہ اس وقت بھی آپ کا  
 دل و دماغ وہ ہے جو اس عمر میں کسی اور کو نصیب نہ ہو گا جب فرمانروائے رامپور  
 نواب حامد علی خاں بہادر سفر انگلینڈ سے واپس آئے تو پھر اپنی طبیعت کا زور  
 دکھایا۔ یا تو وہ واجد علی شاہ کے نام کا قصیدہ کہتا یا یہ نواب صاحب بہادر کے نام کہتا ہی  
 گو وہ تسلیم نہیں رہے ہیں مگر کلام کا فروغ دی ہے۔

### قصیدہ

ملو امیدار تھا سب ناز سے جب خسر و خاوند اوٹھایا چاندنی نے فزین و دیو خاک گستر  
 عیون صبح کے سچے سچے کھجور کھانی جلوہ فروزی بنانا کہ قریب کا فوری پیر نور گروں پر  
 شب انوری سی پانی ثابت و سب کار فزین ہنگام چہاں سے صورت شمع سحر اختر  
 بدل دیں صورتوں کلام عکس شعاعی نے ہستے شمع کے قطرے رو دگل پر زلف اختر  
 پہرے سوئے ریاست بھی سولوں شہر والہ کہ جیسے غریب مشتاق شہر خسر و خاوند  
 فریدوں مرتبہ حامد علی خاں صاحب شہریت کہ جس کا نقش ہا ہے تلخ فریق شجر و خیر  
 بلندی پر جو آئے خاک اون کے اسبے لاتی ہو جائے آسمان پیر کل وید ہا خستہ  
 جو ذکر آئے مزاج شاہ والا کی لطافت کا بہرین میں زبان بن جائے سوچ چہاں کو شہر  
 فرست کا پر واز ریاست میں حکمت جو بہا سبست پھر قل قند فزین سدا سکینہ  
 نہیں ہیں نام کے بلکہ رومی تفسیر سے لے لے چہاں میں مشغول کی ہے درو خاں جگر

### طرز تغزل در زمانہ بدحواسی

شمع کے مانند چکر سہا اور جانے کے بعد زندگیاں کبھی خدا سے ٹکرا جائیں گے بعد  
 چاہئے انسان کو مروت حفظ آبرو نہ ہو کہ رہتا نہیں اب گھر جائیں گے بعد

کیا کہوں کیا حال ہوتا ہے تمہاری چھٹن: ہوش تک آتا نہیں دو دو پہر جائیکے بعد  
بجرتی ہیں کریں کیا فاقن زیر مزار: بیہوش گشتی نہیں کچھ۔ پار اور جانے کے بعد  
نیم جلوہ گاہوں مہماں دیکھ لیں نظر: پہر نہ آؤ لگا کہی مثل شرر جائیکے بعد  
اب تو اسے تسلیم ہیں اہل ہنر پہلے ہو  
یاد فرمائیے کیا کیا جگر جانے کے بعد

ولہ

ستانہ خنیں ولو کو ظالم کہ اپنے ہاتھوں میں لینگے ہم: ہر رنگ برگ حنا جو دھسا تو اور بھی رنگ لائینگے ہم  
چہا نہیں جو ہر ہے ذات اپنی غرض میں حسن عاضی کو نہ بکشتہ طوفان آبر میں کہہ کی صورت نہا لینگے ہم  
جلوسے لب تک بہرے ہوئی ہیں رنگ و عصیت: جو کچھ پہر لیکھا کھنچ کر کچھ کہہ سنائیں گے ہم  
جبنا کا چن: لگوں کا ہنسا۔ یہ رنگ سار ہو میں اے کہنا: نظر کے پہر سے ہی اس سخن میں ہو ہی انکی نہ پائینگے ہم  
ہائے موتن اتنا تک یہ عالم فیض ہے۔ فرمائے ہیں۔ تسلیاں  
وہ کہہ رہی ہیں کہ ہوش آئے تو انکے بائیں کہہ کو جائیں بیہوش ارادہ اگر ہوا دیکھا تو آپ ہی میں نہ آئینگے ہم  
خدا نے چاہا تو اب کسی دن بچا لینگے سوئے ویر لکن: تو نے سر کی قسم نہ دلا خط تمہارے کہنے کی پائینگے ہم  
نکلتے ہے تسلیم اؤ نکادو: اسے جو کہتے ہیں کہتے ہیں اپنے  
کہ آتا کیا آئے ہر سون فی سخن میں بتا لینگے ہم

اس منقطع کی ترکیب پر جگو مگر می خباب مولوی چرخن صاحب فائز تبار سی  
یاد آگئے جو اس زمانہ میں بڑے نازک خیال اور باریک بین و بہن سال ہیں۔ کہتے  
تھے کہ میں اوستا و تسلیم کے عنوان بیان کا دلدادہ ہوں اس زمانہ میں یہ باتیں کسی پر  
نہیں یہ مٹی مثالی ولی کا یہ قدیم رنگ اسکو نصیب ہے۔

رباعیات تسلیم کا رنگ بھی نہایت جرسید ہے۔ فرماتے ہیں

روفا غم شبیر میں پایا را ہو گا: محشر میں شفاعت کا سہارا ہو گا  
الہی اعزاز کر کے کھج تسلیم: ہر آنکھ مرا عرض کا تارا ہو گا

دلیکر

تسلیم غمِ حوصلہ فرسا کیے ۔۔۔ یادِ نورِ منا کی تنہا کیے  
سر پر سے اجل دمِ برون پر لپٹا ۔۔۔ اس کشمکشِ نزع میں کہا کیا کیے

یہ تو اردو کلام پڑھنا فارسی کلام نمونہ بھی ناظرین کے ملاحظہ کو پیش کرتا ہوں۔ خدا  
سنجہ طہرائی معجم راہپور کو سلاست رکھے دی ایک شخص ہندوستان میں اس  
طریقیہ کا سمجھنے والا ہے۔ افسوس میری ملاقات کو ایک مدت ہو گئی اب کے  
وہ گیا میں اتنے بھی تو میں بسترِ علالت پر تھا۔ رہا علی فارسی از تسلیم کہ بعسر  
حدس لہ نوشہ شد۔

از علمِ خدا گشت محرم پیدا ۔۔۔ گوین ز کین کرد و بیکدم پیدا  
بخت و بخت و بخت قدرت نام ۔۔۔ کردست نیک بقظہ دو عالم پیدا  
اب میں استادِ تسلیم کی شاعری کو رخصت کر کے اونکے تصانیف کی طرف  
رجوع ہوتا ہوں۔

### تصانیفِ تسلیم

دیوانِ اولِ غدر میں تلف ہوا۔ کلماتِ تسلیم عرف دیوانِ نظمِ ارجمند۔ دیوانِ  
نظم و لغز۔ دیوانِ دفتر خیال (یہ آخری دیوانِ استادِ تسلیم کا راہپور میں طبع  
ہوا ہے اس میں آپ کی تصویر بھی ہے۔ صاحبِ مطبع نے بغیر غلطنامہ شائع  
کر دیا ہے۔) شہنوی نالہ تسلیم۔ شہنوی شامِ غربیاں۔ شہنوی صبحِ خداں۔ شہنوی  
دل و جان۔ شہنوی نغمہ مسلسل۔ شہنوی شوکتِ شاہچھائی۔ سفرنامہ منظوم نوحہ  
والی راہپور کے سفر انگلیک کا حال ہے ہلزدوم میں ہزار پانسو اشعار تک اس میں  
داخل کیے گئے۔ تاریخِ بدیع۔ مکمل تاریخِ راہپور کی پچھتر جلدیں مطبعہ ہوائی  
اس میں بصورتِ توضیح چار غصہ تسلیم شامل کیا ہے داخلِ گنجینہ سرکارِ راہپور کو  
علاوہ انکے متعدد شہنویاں کہہ کہہ کر صاحبانِ ذہالشیب کے حوالہ کیں۔ تہوڑا عجمہ  
ہوا ہواں کے ایک رئیس کے لیے کہہ کر غائبِ بیگم صاحبہ ہو کر راہپور آئے تھے



سات سو... شعروں کی ایک ثنوی شرح حقوق میں اون کیلئے لکھ کر  
اون کے مذکر کی۔ وغیرہ

### جناب تسلیم کی زندگی کی آخری پہاڑ

حضرت تسلیم کا شمار ستم میں بہ زمانہ اشتیاق علی خان صاحب اور  
جنرل اعظم الدین خاں پٹن خوالہ کیاست میں ہوا فیلڈ وکٹر رستم کٹی پٹی  
رہی۔ ابتدا میں درویدہ کراہیہ کا مکان لیکر مجاہد گو یہ تالاب راہو میں دوسری  
بی بی کے ساتھ بسر کرتے تھے۔ اسکے بعد جب یہ مرگئیں تو تقریباً چھ سال  
اپنے کتھیری دوستوں میں بسر کی۔ ایک مرتبہ ہرخص میں مبتلا ہو کر قریب  
مرگ ہوئے تو جناب سیر احمد صاحب وفاء دہا کر اپنے پاس لے آئے۔ وہاں پر  
باوجود انکار کچھ نقد دیکر بسر کرتے رہے۔ اسکے بعد آپ کے لایق شاگرد جواب  
ان کی جگہ پر داخل ہوئے جناب محمد یار خاں صاحب اپنے پاس لے آئے۔ ناظر  
صاحب کے والد بھی جناب تسلیم کے شاگرد تھے نعت گوئی میں کمال تھا  
یا نہ تخلص کرتے تھے بہر حال صاحب ہی خوشنویس ہیں انکے شاگرد تھے  
اور یہ جگہ نظارت کی جو محمد کتب علی خاں میں اوستنا و تسلیم کوئی تھی انکو بل گئی  
یہ صاحب نہایت شریف نفس اور صاحب سخاوت ہیں چند سے بصارت  
انکو ہی پانچ روپیہ ماہوار اوستنا و تسلیم سے لینا پڑا ہر یہ وقت گذر گیا جب سفنام  
منتظوم مع قصیدہ و عرضی و چار غنص تسلیم وغیرہ اوستنا و تسلیم نے جناب نواب جانی  
صاحب یہاں کے حضور میں بذریعہ برائوٹ سکرٹری یہاں درپیش کیا اور چرچا شعور  
محسن کا راہپور میں ہوا تو ہر کار نے اپنی پیشین چالینس روپیہ ماہوار مقرر کر دی  
اسے جناب تسلیم ناظر صاحب کے مکان میں بسر نہایت عافیت کے ساتھ بسر کرتے  
پڑے۔ روپیہ ماہوار کی انگ ایک مانا تو کہ جسے حسب فرمائش وہ کہاں پکا کر پیش  
کیا کرتی تھی۔ بارہ چوڑ روپیہ ماہویٹ صاحبزادہ محمد حسین صاحب کو بھیجے  
جائے۔ لیکن ناظر صاحب کی محبت میں چھوڑ کر انہیں کو اولاً سمجھ لیا ہے اور

آخری زمانہ اپنا یا و خدا میں بسو فرما رہے۔ صلاح تلافی اور شعر گوئی گویا بند  
کسی کسی کی ضد سے ہوں۔ ہاں کہہ دیتے ہیں اور بس۔

مشاعر و نثر کی دو  
عہد نامہ سے اسوقت تک خدا جانے کتنے شاعر آپ نے دیکھے  
خود کہتے ہیں۔

شعاع افروزی مضمون کی بدستیم دیار ہا مجمع نرم شعرا و بچہ چکے  
مگر اسپور کا ابتدائی مشاعرہ آپ نے دیکھا ہی تھا جو شہزادہ حیا مرحوم کی موجودگی  
میں منعقد ہوا۔ اس وقت سال کے اندر پندرہ پنجاب کے شاعروں میں  
مجمع کا شاعر چھپن کی کے آخری شاعر مرزا تجرور بھی تھے ایک یادگار  
مشاعرہ ہوا۔ فرماتے تھے کہ مولوی فضل حسن حسرت موہانی کی ہمدردی میں اس  
وقت غزل میں شریک ہوا۔ اس مشاعرہ میں نئی روشنی دالوں کی یہ نئی قدر والی  
نہیں پہنچی کہ غرض داؤ کے یاروں نے تالیاں بھی بجا میں تھیں۔ داسے اشیائی  
شاعری۔ تیرا جنازہ یاروں نے انگریزی لباس پہنا کر ادا کیا۔ فرماتے ہیں کہ  
اس کے بعد میں نے کسی گپٹی کو یا اور مشاعرہ کی شرکت نہ کی۔ اور فرمایا کہ تعلیم  
مٹانے جاتے ہیں اور دیکھو انگریزی میں اپنا جوابی اسکی قسمت میں خدا ہائے کی نکتے

پھر مرزا تجرور۔ ظہیر۔ مرزا جعفر اور ج وغیرہ کو مد نظر رہے کہ ایک جگہ اور فرماتے ہیں کہ  
عنایت جان اسے تسلیم دواک ہنسے پور پور کہ یہ سن سخی سنگیہ الہی زینت کے  
اسی زمانہ میں دستاویز تعلیم کی ایک تحریر کے بیظاہر کیا تھا کہ حسرت موہانی ہمارے  
باس آئے اور ازراہ دلسوزی چاہا کہ اپنے پاس اٹھائے جائیں مگر

آسمان کی گناہت جو چھڑائے بھگتو۔ بھگتو بھگتو داسے ہم خدا سے بھگتو  
چلیے ہم تین ہی خواہ و خیال ہو گئیں اور حسرت صاحب کی یہ تحریک آج بھی  
باد گار زمانہ ہو کر رہ گئی۔ مجمع وچ بھی چلے۔ غالب کا نام مٹ چکا۔ مومن کی یاد  
آخر کی صورت چرخ سحر کی رہ گئی ہے۔

## تلاذہ تسلیم

اس بحث کے چھڑنے کو ہی نہیں چاہتا۔ اس لیے کہ میں جناب تسلیم کا ایک  
 نقش بردار قدیم ہوں میں نے اپنی نامی عمر میں اوستا و تسلیم سے کسی کو اپنا  
 شاگرد کہتے دیکھا نہ باوجود دریافت آپ نے کچھ فرمایا البتہ حیات تسلیم مطبوعہ  
 لاہور کے طبع کے وقت میں نے بہت اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہاں میں  
 اپنا شاگرد کو سکوت بلاؤں البتہ اکثر شیاعراں نو و کھن کا دلال ہوں۔ یہاں (یعنی  
 ماہور میں) چار شاعرہ ماہور ہوتے ہیں اس سبب سے اکثر متدیوں کے ساتھ  
 و ملا سوزی کرنا پڑتی ہے۔ ناظرین منصف مزاج اب خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس  
 تحریر و تقریر کے آگے میں اس معاملہ میں کیا کچھ سکتا ہوں مگر فرایض حیات  
 نویسی میں ایک بات رہ جائیگی اس لیے قدیم گرامی ناموں کو نکال کر تو بہ کچھ  
 بتا کسی کسی کا ملاؤنگے نام نامی درج کر دیتا ہوں۔ کہ لوگوں کو شکر کا بیٹ نہ رہے  
 (قبل تسلیم اس کتاب کے پہلی میں سے رسالہ اردو کے علی گڑھ میں علان  
 کر دیا تھا کہ تلاذہ تسلیم اور اجاب تسلیم اس کتاب کی تکمیل میں ہماری مدد کریں  
 ملاؤں کے کسی بیرونی شکر و نے جنکا نام اور ذریعوں سے جو نہیں معلوم ہوا کچھ  
 اپنا حال نہیں لکھا کہ کلام اپنا بھی کہ مناسب رائے زنی کا موقع ملتا)۔

جن اصحاب کا تہہ ملا ہے وہ یہ ہیں۔۔۔ نور و علیاں شہید۔۔۔ بھٹو کے رہنے  
 والے بہت خوش فکار و طیار تھے۔ نظم و شعر دونوں میں کمال تھا۔ منیر شکرہ آبادی  
 کے زمانہ میں معزز طبقہ سے شہر میں اور کاشمار ہوا بہا شکرہ کہ اس کے دیوان پر  
 تقریباً ہی تھی۔ یہ وہ وقت ہے جب اسیر مرحوم ہی زندہ تھے۔ اوستا و تسلیم فرامانے  
 ہیں کہ صاحب دیوان تھا۔ اچھا کہتا تھا۔ کوئی مستعار و سکا بوجہ بدحواسی یاد نہیں۔  
 ان سے اشتغال کو ہی بہت دیر ہوئی۔ جن دونوں طوطی مند اور ادوہ پنج میں بھی اشتغال  
 تھی یہ طوطی کا بہرہ پال تھا بہت نظم و شعر بھی۔ اور جاہا کہ بچے ہی اور میں شریک رہا۔  
 کر کے میں نے ان چیزوں کی اصلاح سے یہ اس عجیب طبعی انکار کیا کہ مٹی سجا جس

ایڈیٹر اور شیخ کی اور بیماری ملاقات تھی۔ یہ بات وضعہ ازہری کے خلاف ہوئی۔  
 ۱۲۹۹ھ تک اونکی زندگی کا تہہ تھا ہے پہر نہیں کب اور کسوقت اور کہاں  
 انتقال کیا۔ واسے گناہی۔ دیوان غیر مطبوع تلف ہو گیا۔ یہ تلامذہ اولین بدست  
 ممتاز تھے۔

(یہ وہ ضعیف العرش پیدا نہیں ہیں جو اطراف صوبہ بہار میں رئیسوں کے چو  
 اور نسیم دہلوی کی غزل کی چوری کے سبب سے اخبار الہیچ بانی پور وغیرہ میں بہت  
 یہ نام ہے جو کوئی کے سبب سے قید بھی ہوئے تھے میں نے اولو سا پڑھتے  
 شہر برس کی عمر میں دیکھا تھا چہ نہیں مر گئے یا کہیں چلے گئے  
 علامہ دہلوی ظہیر حسن شوق مرحوم ہیموی۔ عالم اور طبیب تھے۔ نئی مضافات  
 عظیم آباد کے رہنے والے تھے کی اہلی پٹنہ میں طبابت کرنے تھے۔ شہر بہت  
 خاندان مگر غریب رہے۔ پھلے معمولی کتابیں ٹپس میں پڑھیں۔ مولانا محمد سعید صاحب  
 رحمت عظیم آبادی کے ہی شاگرد تھے پھر غازی پور میں بدست چھپتے رحمت میں  
 تحصیل علم عربی کی تکمیل علامہ مولانا عبد الاحد صاحب سنت دفرنگی علی بھگوی  
 مظلہ العالی سے کی۔ فن شعر کے نکات بھی اول اول انہیں سے معلوم ہوئے  
 غزلوں پر اصلاح بھی پھر مجلس طب کے لئے بھنوتے اس فن کو بد جا علی کہاں  
 حاصل کیا یہ وہ زمانہ ہے کہ نور سید مولف افات زندہ تھے۔ چنانچہ افادات میں لکھا  
 ذکر ہے۔ بھنوتے نامی شاعر مجھ جان بٹا دیا گارہ سیر کے ہمراہ مشاعروں میں غزلت  
 پائی۔ اور سلسلہ اصلاح سخن اوستاد تسلیم سے ہی جاری کیا۔ سنوی نغمہ راز پر خطاب  
 تسلیم سے اصلاح لی۔ دلی کے رنگ کی چاشنی اٹکے ہیں نصیب ہوئی۔ ہمد  
 کلب عینانی میں رامپور گئے اور سلسلہ اصلاح کہ مجموعہ نکات سخن سے معہ  
 قصیدہ بوساطت اوستاد تسلیم نذر گذرانا مناسب قدر والی کی گئی دربار نگاروں  
 کو بھی دیکھا تھا۔ ہمد داغ و امیر کن چید سے رامپور میں قیام رکھا اور بوجہ جمال  
 علم و تحقیقات بہت ممتاز ہوئے۔ مرحوم حکیم ضامن علی جلال کی سرایہ زبان

اردو کی بذریعہ رسالہ سرمہ بحقوق وغیرہ علمی کہول وی شیخ اخبارات  
میں بڑی دہوم ہوئی۔ بہر مولوی فضل حق ازاد عظیم آبادی سے عرصہ  
تک تحقیقات فن میں جھگڑا کر لیا۔ کینا شیخ آذر ایچ میں مرزا میں چیتے تھے  
صاحب دیوان مصنف کتب درجہ التوفیر ہیں۔ علم دین کے بھی بڑے محقق  
تھے مولانا فضل اگر سن قدس سرہ کنج مراد آبادی سے بیعت حاصل تھی۔ دم  
مرگ ایک کتاب حدیث میں لکھ رہے تھے نا تمام رہ گئی تھیں اور نکاد دیوان  
اور کتب خانہ کیا ہوا انکے ایک شاگرد کہتے تھے کہ انکے ایک ہمالی  
صاحب علم ہیں وہ عقرب دیوان طبع کرانے لگے۔ شہزادہ بہر دہلوی  
انکے صاحب دیوان شاگرد ہیں۔ ایک شاگرد ان کا ضیا خلیفہ تھا  
فوجان و خوشگو تھا گیا میں اکثر آیا اور خاکسار کے مشاعروں کی شرکت  
کی کمیٹی کے اوس مشاعرہ میں بھی شریک تھا جس میں جلال کے طرف سے  
اون کے پیٹے کمال شریک تھے۔ فغان کے لیے۔ زبان کے یک طرح  
ہی ایک شعر بہت ہی پر سوز پڑھا۔ ضیا۔

پتار تہی ہو سر شاہوں کی دیرانی۔ چرخ دے کوئی آجڑے ہو مکان کیلے  
لوگوں کے بہت ادوی۔ افسوس کہ بہر کا علم و فن کے لحاظ سے  
کو راتھا صرف طبیعت کی روانی نے ممتاز کر دیا تھا ایک رندی کے  
عشق میں دیوانہ ہو کر پتہ گیا وہاں عین شباب میں ہینضہ کی بیماری  
سے مر گیا مرحوم شوق بکسر پرستی سے اوسکا دیوان چھپ گیا ہے۔  
شوق ابتدا میں میر کے رنگ کے شعر کہا کرتے تھے۔ بہر داغ کا  
رنگ پسند کر لیا تھا داغ انکے رنگ پر خود شیفہ تھے ان کے اس  
شعر پر رام پور میں داغ بہت بیچن ہوئے یہ۔

دامن گری جلتے ہیں کبھی ملتے ہیں وہ ہاتھ ڈاے شوق الہی ہوش میں آنا نہیں چاہتا  
گیا میں بھی ایک شاعرہ میں اُسے ہے یہ طرح ہی۔ دیوار میں ہے بیمار میں ہے

اس میں شاہ محمد اکبر صاحب ابوالعلائی - اور شہنشاہ العالیہ وغیرہ بھی تھے  
 یہی مشاعرہ میری انہی ملاقات کا باعث ہوا۔ اور خدا مغفرت کرے شاہ  
 محمد اکبر صاحب نے ملا یا تھا۔ بعد ازاں سلیم نے حضرت شمشاد کے یہ معتقد تھے  
 جیسا کہ خود کہتے ہیں۔ (محسین نامہ شوق) معطی و مکر می یلعم۔ جگو شاگرد  
 کا فخر جناب شمشاد کی بھی حاصل ہے حضرت شمشاد اہل زبان و لہجے کے  
 علاوہ عربی و فارسی میں استاد و کامل رہتے ہیں۔ شاعری کی کمال نہیں  
 وہ باتوں پر ہے اول بل علم ہونا و دوسرے اہل زبان ہونا۔ دونوں باتیں جناب  
 شمشاد میں موجود ہیں۔ فقط

شوق بیوی کا دل لہ۔ از شہر شہنشاہ کی اہلی۔ ۶ محرم الحرام مطابق  
 اوستا و تسلیم کو انکی موت کا بڑا صدمہ ہوا۔ یہ بالوقیر تلانہ میں ہے۔ انکی نسبت  
 شہنوی لغتہ راز میں اوستا و تسلیم اپنے خیالات یوں ظاہر کرے ہیں۔  
 بارک اللہ اے ظہیر احسن مجمع عالم و ماہر مجربین  
 شہنوی بھی کیا نئی تم نے ساحری ستارے میں کی  
 وہ فصاحت زبان میں کہی وہ بلاغت بیان میں کہی  
 دل ہی جس کا مزا اہتا ہے شور و خروش یونہی آتا ہے  
 اوج بخشا کمال کو کیا کیا وی بلند ی خیاں کو کیا کیا  
 سیر نے اک مزا دیا دل کو نقش حیرت بنا دیا دل کو  
 بہر تاریخ جھلک کی ہے یہ ہے  
 واہ کیا دل پسند لغتہ ہے

اوستا و تسلیم فرماتے ہیں کہ مولوی ظہیر احسن عالم آدمی ہو کر اگر اپنے کو میرا  
 شاگرد کہتے ہیں تو انکی شہریت ہی۔ افسوس چند سال ہوئے اسہال  
 گندمی کے عارضہ میں مبتلا ہو کر مینیر میں دیروایت دیگر موضع میں اپنے وطن  
 میں جا کر انتقال کیا۔ اور ملک میں انکی موت بہر اعتبار اس کمال کے

ہنایت گنہامی کے ساتھ ہوئی۔ اوستا و سلیم کاشا گردان سے اچھا  
 اسوقت موجود نہیں ہے یہی وہ لوگ تھے جو اگر دعوے جانشینی کرنے  
 تو زیبا تھا۔ اب اسکا کوئی شک کر دہی قابل تذکرہ باقی نہیں نہ کوئی اولاد  
 ہے۔ شوق نے تقریباً چالیس سال کی عمر کے اندر انتقال کیا۔  
 زندہ جو کل ہے آج ایسے فسانہ ہی ہو گئے کس کس کو روئے ہی رنگ رہا ہو  
 ان کے تلامذہ میں مرحوم خیر جاسکا ذکر آیا اس کے ہم عصری کا خیال  
 ہمارے نوجوان دوست ذوالفقار علی عرف صوبہ آہ تخلص کو بھی تھا مگر  
 یہ لڑکا مطابق ضرورت علم رکھتا تھا اور بڑے بڑوں کی صحبت اٹھاتی تھی  
 آخر شراب خواری کے باہوں مٹ گیا۔ امام باڑہ گیا میں مدفون ہو  
 اوسکا یہ شعر حشر تک نہ ہو لیکھا۔ نہ شاید اس سے اچھا مطلع اس  
 زمیں میں ہو سکتا ہے یہ لیکھا کے مشہور شاعر حشر مرحوم کاشا گردن  
 وہ مطلع یہ ہے

شعلہ زخم یوں پڑ کر تباہی دل مالوس میں ہو جیلائے شمع کی جو بستر خانوس میں  
 اے اوستا و کا ہی ایک ایسا شاگرد تھا جس نے مرکز انے اوستا و  
 کے نام کو بھی او کی موت کے بعد مٹا ڈالا۔ یہ سب خاک ار کے مشاعر  
 میں جمع ہوا کرتے تھے۔ خدا جانے میں نے اس عمر میں ان آنکھوں سے  
 کیا کیا دیکھا۔ اسکے مرنے کی تاریخ میں نے (آہ بہار آخر شد) سچی۔

مولوی فضل الرحمن صاحب حسرت موہانی علی۔ اے۔ ایڈیٹر اردو کے معنی  
 آپ موہان کے شرف میں ہنایت ذوی علم اور صاحب فن ہیں۔ ہندوستان کا  
 مشہور رسالہ آریو سے معنی انکی ایڈیٹری میں نکلتا ہے زبان کے لحاظ  
 سے موجودہ رسالوں میں اسکا پایہ بہت بلند ہے۔ قلم کی جولانی میں ایک  
 مضمون گورنمنٹ کے خلاف چھپا جو سبب انکی سزا کے قید کا ہوا۔ علی و  
 اخلاقی مشغلہ حکام کی نظر سے کر فید خانہ میں بھی جاری رکھا اور مصائب سخت

کی حالت میں ایک دیوان بھی مرتب کر ڈالا۔ ایک عرصہ کی پریشانی کے بعد پنجہ قید سے چھوٹے اس درمیان میں اردو کے لئے بھی بند رہا اور وہاں کتب خانہ بھی برپا ہوا۔ علیگڑھ کے تعلیم یافتہ لوگوں میں باوجود بی۔ اے ہونے کے بھی ایک ایسا شخص نظر آتا ہے جس نے اپنی ذات کو برخلاف دنیا حاصل کرنے کے قومی خدمت کے لئے وقف کیا ہے اور بالخصوص اردو اشپروازی اور ایشیائی شاعری کی ترقی جان و دل سے فرما رہے۔

حیات تسلیم مطبوعہ لاہور میں جو انکا کوئی ذکر نہیں کیا گیا اس سبب یہ کہ یحییٰ تلامذہ اوستا و تسلیم میں تھے انکا کوئی ذکر جناب تسلیم نے نہیں کیا تھا۔ بعد طبع حیات تسلیم جب میں نے اوستا و تسلیم سے انکی بابت پوچھا تو فرمایا کہ مجھے یاد نہیں کہ حسرت نے مجھ سے کب اور کہاں اصلاح لی میرے حوالے سے بجا نہیں کہ کچھ سال گروں۔ مگر بعد چند ہی جناب حسرت نے رامپور کا سفر کیا تو اوستا و تسلیم نے مجھے کہا کہ حسرت میرے پاس آئے تھے اور اپنے کو پہچنوا یا اور ازراہ دل سوزی بہت اصرار کیا کہ دم آخر طرح کی عافیت دینے کو میں تیار ہوں آپ یہاں نا حق تکلیف میں ہیں ہمارے ساتھ چلیے مگر میں نہ گیا۔ ایک اور گرامی نامہ تسلیم سے انکی اصلاح کا یہ ملتا ہے۔

(گرامی نامہ تسلیم) محبت میں غلگیل ہوں پندرہ روز ہوئے گزر چکا تھا ہاتھ اکڑ گیا اب بفضلہ تعالیٰ درست ہو گیا ہے ورم باقی ہے اور درہی ہے دعا بخیر فرمائیے بہت کمزور ہو گیا ہوں۔ حسرت موہانی کی کوئی غزل دہر میرے پاس نہیں آئی پہلے برابر اتفاق ہوتا تھا اونکی قید کی حالت کو سنکر برا صدمہ ہوا۔ آزاد مصنف اب حیات کی موت کا بھی افسوس ہے۔ میرا دیوان سوم چھپ چکا ہے ابھی شیرازہ بندی نہیں ہوئی علاوہ اسکے کاتب نے غلطی بہت کی ہے اسکا غلط نامہ مرتب ہو جائے تو ایک جلد ہمارے پاس روانہ کی جائے گی۔ ہمارے تالانچیں بھی اندراج کو صاحب مطبع کے حوالہ



کر دی گئیں ہیں غلط طرح رکھو۔

راقم محمد امیر احمد قسطلیہ لکھنؤی  
موجودہ تلامذہ تسلیم میں حسرت کا پایہ سب میں بلند ہے قابلیت صحت  
زبان تحقیقات فن رنگ خاندان سب حاصل ہے۔ میں مسئلہ جانشینی  
اور سجادہ نشینی وغیرہ کے بالکل خلاف ہوں۔ اگر میں اس مسئلہ کا قائل  
ہو جاؤں تو اوستاد تسلیم کی جانشینی کا خطاب حسرت کی تذکرہ و دوں۔ خبر  
کہ حسرت نے رنگ تسلیم کی تقلید نہیں کی ہے بلکہ لاریب اس شخص کے  
مومن کے رنگ کی ایسی تقلید کی کہ تعریف نہیں ہو سکتی اور اس لحاظ  
سے یہ چراغ خاندان مومن و تسلیم اور شاگرد تسلیم ہیں۔

اس زمانہ انگریزیت میں کہ اس کو گروہ نے پھر شاعری کا جوش  
ہیت بلند کر رکھا ہے۔ واقفیت فن صرف چند ہی افراد کو ہو تو ہر عوام کا نام  
نہیں کہ وہ حسرت کا سہل مقلد کلام سمجھ سکیں اس لیے اسی وہ قدر دانی جس کے  
مستحق ہیں نہیں ہوتی صرف وہی حضرات صاحب بصیرت حسرت کے  
میشل کلام کو سمجھ سکتے ہیں جن کے دل و دماغ میں غالب و مومن کی شاعری  
سی ہوتی ہے۔ بہر حال حسرت صاحب کو یہ سمجھ کر غم نہ کرنا چاہیے کہ

ہو و تسلیم اپنی عالم العلام سے میرا دیوان آشنائی دیدہ جاہل نہو  
افسوس حسرت کی شاعری کا آفتاب اوسوقت چمکا ہے جب اوستاد  
تسلیم کے آنکھوں کی روشنی یگنوہ زائل ہو چکی ورنہ اس زمانہ میں حسرت  
ہی ایک ایسے شاعر کو اپنے گروہ کے جینے والوں کے بیشتر تلامذہ کا کلام لغز  
اصلاح دیا جاتا۔

حسرت کا دیوان بالکل مکمل ہے اور اوس کا جزو اعظم اردو کے محلی میں  
مطبوع ہو چکا ہے۔ تا لیاقت حسرت میں شرح دیوان غالب ہی ایک  
مغفول کتاب ہے۔ قدیم شعرا و اساتذہ کے اکثر دیوان انتخاب کر کے

دوبارہ افروز زندہ کرنا حسرت کا معمولی کام ہے۔  
حسرت کو پرانی ٹیٹ حالات کی اطلاع پہنچ کر بالکل نہیں بھولی اس لیے کہ  
وہ بوجہ دارستہ مزاجی کسی کو باوجود دریافت ہی کچھ کھٹا نہیں چاہتے۔ اکثر  
ملکی سوانح نگاروں نے ایک نوجوان - اور علمی طبیعت کا آدمی لکھا ہے مگر  
کلام پر غایت پیرانہ سالی برستی ہے۔

انکے کلام کا اندازہ ان اشعار سے ممکن ہے۔ ہندوستان کے تمام  
گوشے کے شاعر اگر جمع کیے جائیں تو شاید دو چار اس طرز کے کہنے والے  
ملکیں۔ اس شخص کو اگر چہ مزار مومن کہتے تو زیبا ہے۔

### کلام حسرت

ہے ایک در پر مغال تکرر سائی۔ ہم ہم بدوہ پرستوں کا کہاں اور بھکانا  
طعن اچھا ہے سزائش غلج ہے... ہم نے کیا کیا تری خاطر کی گوارا دیا  
ابھی الفت کا یقین پورا نہیں آئی امید... ہوں یہ دونوں صوفیوں سے پہلا انتظار  
وقت سائی میں ہم حسرت کشا ہوا ہے... ملے رو با خوب ابرو تو ہمارے جسے برس  
میں صبر و ضبط طرہ میں تھی مری یاد... ترے اقرار آسمان سے ترا انکار پیدا  
ولی تو ارباب وفا کا ہے ہیلانا مشکل... ہم نے یہ اوسکے تغافل کو سننا کہا ہی  
تھے بال اپنے جو پہلو میں سارے ہیں... شوق کو اور بھی دیوانہ بنا کر کہا ہے  
کہتے ہیں دل جہان روحیت جس کو... ہاں اوس کا اعلیٰ مصطفیٰ و وارث ہے  
حسرت کے اوس رنگ کے اشعار فہم انداز کرتا ہوں جس کو اوں کے حاشیہ  
تاریکات میں داخل کرتے ہیں۔ اور بوجہ تجدیدی بیان اوں ترکہوں کو غایت  
تہنوم پھرانے میں حسرت مجسم اخلاق نے اپنے غایت اخلاق کا بیوست  
اوس شاعرہ علی گڑھ کے ذریعہ سے دیا ہے جس میں اوستا و سلیم اور مرزا  
مجرور کو شریک کیا تھا ہندوستان کے اس آخری شاعرہ کے بعد  
کوئی ایسا شاعرہ نہیں ہوا جہاں غالب و مومن کے ایسے آخری یادگار روئی

شرکت ہوئی ہو۔ وہ گروپ جو اس مشاعرہ کے متعلق لیا گیا تھا جب کو ایجو  
بریسکسی جنتری نے بھی شائع کیا ہے حسرت ہی کی معرفت تیار ہوا لیکن اس  
کو مرحوم میر مجروح کی آخر وقت میں زیارت ہو گئی۔

### حاجی محمد اسماعیل خاں صبر رامپوری

رامپور کے باشندے ہیں انکی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ سو وڑھ سور و پیر  
ماہوار کی جاگیر کی آمدنی ہے۔ تازہ شاگردانِ سلیم میں یہ نہایت پرگوشم  
ہوتے ہیں۔ حیاتِ سلیم مطبوعہ لاہور کا زمانہ نو نیا وہ گذر و قین سال کے اندر  
کا ہی کوئی گرامی نامہ سلیم ایسا نظر آفر نہیں ہوا جن میں انکا ذکر ہو۔ یکایک  
سلسلہ میں یہ نمایاں ہوئے اور اکثر جواب خط و قلم کے انکے قلم سے  
ہی آئے۔ انکے مختلف خطوط سے یہ عبارت اخذ کی جاتی ہے۔

(از خطوط بین سلیم)

مخدومی مکرئی جناب بہائی عرش صاحب دام الطاف۔ میرا دیوان مرتب  
وڑھ سال سے قبلہ و کعبہ اوستا و صاحب کے پاس رکھا ہے۔ ہنوز اصلاح کی  
نوبت نہیں آئی جب کسی قدر نظر کام کرتی تھی اسوقت ملاحظہ نہیں فرمایا  
ضعف بصارت کے عالم میں کئی مرتبہ عرض کیا کہ صرف حضور پانچ چاند نزل  
روز سن لیا کریں اسکی ہی نوبت نہیں آئی حالانکہ شب و روز خدمت میں  
حاضر ہوتا ہوں۔ صرف ایک تنہا تنہا حشرت چھپ چکی ہے اول سے  
آخر تک دیکھی تھی (یہ تنہا تنہا خاکسار کے پاس صبر صاحب نے بھیجی ہوئی ہے  
عیب ہے) اور ایک خمسہ نگار خانہ خسری اصلاح سے فرین ہوا ہے  
یہ بھی چھپ چکا ہے۔ (یہ بھی اچھا ہے) دو سہری تنہا تنہا حشرت چشمہ حضور پور  
والی رامپور کی سال گرہ کا حال اور میلے کی تعریف میں ہے اول سے  
لے کر آخر تک اوستا دئے دیکھی ہے یہ تقریب منجانب پیشکار شائع  
ہوئے والی ہے چہ میمنے سے جب کوئی نزل طرح شہر کے مشاعرہ کی غرض

سے غرض کرتا ہوں یا میری نجات کے گدستوں کے واسطے کہتا ہوں صرف یہ  
 بہت کہنے سے سن لیتے ہیں بے اصلاحی بے اطمینان درج گدستہ ہوتا  
 ہے۔ یہ سب کمزوری و پیرائہ سالی اور ان کو مجبوری ہے اور اپنا متقاضی ہونا  
 بے ادبی میں داخل ہے۔ اوستاد کے پاس اب جن حضرات کا کلام آتا ہی  
 سب میری نظر سے گذرتا ہے میں ہی پڑھ کر سناتا ہوں۔ جو فرماتے ہیں میری  
 اصلاح کے طرز پر کچھ بتا ہوں۔ (والہ اعلم بالصواب) کئی سال سے میں نے  
 کوئی نثر جسرت مونا کی کی نہیں کچھ میں ہمیشہ اپنے جملہ اوستاد و پیابھوں  
 کو باعثِ شرف جانتا ہوں اور آپ کو پرانے شاگرد ہیں میرے محمد دم گھر ہیں  
 کچھ کو آپ ایک ادٹے نیاز منظر فرمائیں۔

راقم الحروف محمد اسماعیل خاں صبر ۱۹ ارفوری ۱۹۱۱ء

(از بلبلِ تسلیم) دیکری جناب نشی ضمیر الدین احمد صاحب غرض ام الطاف تم تسلیم  
 آپ کا خط جناب اوستاد کے پاس بھجو گیا۔ میں نے پڑھ کر سنایا۔ فرماتے  
 ہیں کہ میں اب تندرست ہوں خاطر جمع رکھو۔ اپنے متعلق اور انکی تحریروں گرامی  
 دیکھ کر کچھ خوشی ہوئی کئی بار سر پر کبی اور آنکھوں سے لگا لی۔ حسبِ الحکیم  
 غزلیں طرح بدایوں کی روانہ کرتا ہوں آپ کی دعا سے اوستاد کے صدر نے  
 میں ان پورج غزلوں پر میری لیاقت سے زیادہ کچھ داد ملی۔ تمام حاضرین  
 بزم سخن نے قدر افزائی فرمائی۔ بلکہ کئی بدایوں نے اس ناچیز کو استیحا  
 میں اول نمبر دیا اور تمام بدایوں کے شعراء نے اتفاق سے یہ کہا کہ یہ غزل دل  
 نمبر کی ہے۔ اگر آپ کی رائے ہو تو ان اشعار پر لیٹان سے چند شعر منتخب  
 کر کے کسی اخبار میں منج کرادیجئے۔

دیوانِ سہوہ تسلیم کی سوانح عمری میں جو دست اندازی صادق صاحب  
 کی جناب سے آپ کے متعلق کی گئی ہے محض بے قاعدہ ہے۔ وہ سوا آخری

منشی نایاب خاں صادق نے اوستا و گویہ سنانی تھی اوستا دے فرمایا  
تہا کہ یہ ہے کی ضرورت نہیں (ظاہر ہے کہ حیات تسلیم سے یہ ضرورت پوری  
ہو چکی تھی) جب انہوں نے یہ کہا کہ میری خوشی ہے تو فرمایا کہ اچھا یہ گویا  
لحاظ اس کا تھا کہ پرا لویٹ سکریٹری صاحب کے یہ مصاحب ہیں) آپ  
اس کا غم نہ کریں (وغیرہ وغیرہ)

از بلس تسلیم۔ قبلہ و کبر اوستا تسلیم نے اس مکتب کو بلس تسلیم کا  
خطاب مرحمت فرمایا ہے شاید کمال و کمال کے پرچہ میں شائع ہو۔ لاہور  
پیارے نعل صاحب رونق دہلوی آئے تھے انہیں اوستا دے فرمایا  
کہ میں نے صبر کو بلس تسلیم کا خطاب دیا ہے تم اس کو پرچوں میں درج  
کر دینا۔ آپ مسئلہ غزلیں اگر درج اجاں فرمائیں تو یہ بھی درج کر دیں۔  
اس خطاب کے اعلان کے ساتھ ساتھ صبر نے احسن با برہروی  
کے شعروں پر اعتراض شروع کیا ہر چند کہ وہ اعتراض بالکل صحیح  
تھے جس کو بذریعہ رسالہ افلاک احسن انہوں نے ثابت کیا ہے یہ سکر  
افیسر جس کے بے غم اور غیر مذہب فرقہ نے اس کی یہ قدر کی کہ بلس تسلیم  
بھی انگشت نما ہوئے اور وہ آخر ملک الشعر تسلیم کو ہی ہدایت حاصل  
ہوئی۔ اگر صبر اپنے رنگ کلام پر قناعت کرے تو ایک زمانہ میں وہ خود  
واجب التعظیم ہو جاتے۔ اے عبد ایل بصیرت اونکی مناسب قدر کرنے لگے  
یہاں اونکی قدر و اہمیت تو بالاطلاق ملکی رسوائی جناب تسلیم کو ہوئی اور  
تاکہ اگر دان داغ نے آنکھوں پر پی پانڈہ کر اعتراض کرنا شروع کیا  
جو صبر کے شاگرد کے برابر ہی نہ تھے۔ بیشک جدید تازہ تلامذہ تسلیم  
میں اونکی طبیعت بہت ہی مضمحل رہی واقع ہوئی ہے اور کہیں کہیں  
تسلیم کے رنگ کی جھلک بھی موجود ہے۔ وہ اس پر آشوب زمانے کو  
آنکھیں مہول کر دیکھیں اور طریقہ پھر کو کہ عنوان مزاج اوستا دے ہاتھ

جائے نہ دیں۔

صبر صاحب کو مجھ کفش بردار قدیم خاک پائے تسلیم کا سمجھانا شاید کچھ  
گراں ہو تو اس کو اللہ معاف فرمائیں اسلئے کہ سوانح نگار کو دیانت دار  
ہونا چاہیئے۔ ہندوستان کے اکثر پرچے اس لاطین بحث سے جو بہرے ہو کر  
نظر آئے ہیں تو بچھڑکے بچھڑکے صدمہ ہو رہا ہے کہ افسوس نہ مانہ جس پر معترض ہے  
وہ سیکے نہ تو اس ی بچا میں نہ آنکھوں کی روشنی باقی ہے۔

کلام صبر یادگار مشاعرہ بدایوں

ہاں دکھا اسے چشم گر باغ نش طوفانی بچھے ابر کو ہر بار پر ہے پھیرنا پانی مجھے  
بشت میں نہ ہی نقطہ پر کا کی صورت یوں قید گیرے ہستی ہر اک جانبے ویرانی بچھے  
خستہ تک کروٹ نہ بدلی دین ہو کر قبر میں استقدر حاصل ہوئی مرکز تن آسیانی بچھے  
شعر تو یہ کہا ہے سو واقعی ہاگر صبر کو تسلیم کی شاگردی حاصل نہ ہوئی تو خستہ  
اون سے ایسا شعر نہ ہو سکتا تھا۔

کیوں کر نیکو کیف رکھ دو بخش کفنا کمری دانت کی اڑ کے خود خاک بیابانی مجھے  
صبر سچ پوچھو تو تسلیم سخندار کا ہے فیض  
ورنہ کب ملتی ہے ہمت ہزونانی بچھے

تیر نظر سے عمر رواں مری کم نہیں وہ چال چلتی ہو کہ نشان قدم نہیں  
والہم واولیہیں ہو سکتی۔ خدا تمہیں سلامت رکھے۔ خوش رہو آبا و رہو۔ خدا جانے  
کس عالم میں یہ مطلع کیا۔ یہ الہیہ ہمارے استاد کا رنگ ہے۔

کٹ جاؤ سر مرا بچھے کہ اس کا علم نہیں مرے کی بات یہ کہ کہ خیر میں م نہیں  
تصویر میں ہی ہیں وہی ثبت غیر میں ایک بات کی کہ ہے کہ ایمان میں نہیں  
جنگل میں روٹی ہے پر روٹے کیے تنکو کیے مر گیا اتنا عجیب نہیں

جب دل بچ اپنا۔ تازہ نکا پا رہا  
جانی ہو جان جائے۔ کچھ لائے ظہیر غم نہیں

منشی شہیر احمد و فارامپوری۔ یہ اہل تلامذہ تسلیم میں ہیں بعد خانہ دیرانی  
 اوستا تسلیم کیے گی وہ سعادتمند شاگرد ہیں جو اوستا و تسلیم کو اوستا و تسلیم  
 اپنے گہراٹھالے آئے تھے جب وہ ہفتہ میں مبتلا ہو کر قریب المارک ہو چکے تھے  
 عرصہ تک اس پر ساتھ رکھا اور مدت کی شہر بھی بہت خوب تھے ہیں مگر اوکار  
 دنیا سے شوق اور کیسل فن کا موقع نہیں ملا۔ کوئی شعر انکا یا د نہیں اور تلامذہ  
 تسلیم نے اونکا ذکر اکثر کیا ہے۔ منشی اعز الدین اعزاز۔ محکم گلدستہ  
 حدیقہ صادی رامپور دیرنیہ تلامذہ تسلیم سے ہیں صحبت یافتہ اور اہل ہیں۔  
 جس زمانہ میں یہ گلدستہ جاری تھا میری اور انکی عزلیں ہمراہ اوستا  
 براہر چہا کرتی تھیں۔ نعت گو ہیں اور اس زور سے خدا کے دونوں عالم میں  
 اونکو ممتاز کیا ہے۔ فارغ البال ہیں۔

### کلام اعزاز شریف نعت شریف

حشر ہے ابی کہ دم نزع ہر اس سر  
 نقش قدم شہیر والا پدہ ہو  
 محشر میں شفاعت یہ یہ فرمایا گا خانہ  
 تم خلد کے مختار ہوید جیو چاہو  
 روز شب کو حقیقت میں شہر دیکھو ہیں  
 آپ کے کیسو و رخ کا یہ اثر دیکھتے ہیں  
 ہمارے دیرنیہ رہنما اس کا گلدستہ نظر امیر مینائی میں ہی ممتاز تھا اس  
 زمانہ میں دان۔ و امیر سب رامپور میں موجود تھے اور ان لوگوں کا کلام  
 اس میں اکثر چہا کرتا تھا۔

سید عطا کریم عطا۔ یہ خاص باشندہ بہار شریف ہیں۔ عظیمیہ سال  
 کی ہوگی۔ آدھی ذی قعد صاحب فیض صاحب فن ہیں اوستا و تسلیم کے انکی  
 نسبت اپنے گرامی نامے میں یوں لکھا ہے۔ (گرامی نامہ تسلیم)  
 محبہ و شفقت زاد غنائم بعد سلام سنت الاسلام کے مظہر مدعا ہوں  
 طب سرح خیریت سے اور صحت و عافیت آپکی ایزد تعالیٰ سے چاہتا ہوں  
 آپ کا کار ڈھوانی آیا حال معلوم ہوا۔ دیوان آپکا دیکھا اور کچھ باقی ہے

اشاء اللہ اس ہفتہ میں دیکھ لو گے۔ مگر اوسکی روانگی میں تردد ہے کہ اکثر غریبوں و مسروں کو بھیجیں گراون کو نہیں بھیجیں شاید کوئی نہ کہا جاتا ہے تین غریب سید عطا کریم عطا کی بہار بھیجیں وہ نہیں بھیجیں شکایت آئی ہے اور رامپور کے خوش لوگوں نے اور دیگر گدے والوں نے اسقدر چسک پڑی شان کیا کہ میں نے شعر شاعری قطعاً ترک کر دی ایک مصرع نہیں کہتا اور تہارا وہ ہے کہ اس فن کا نام لوں اکثر دوست آشنا و اہل گدہ سیدنا خوش ہو سکے (آپ شاگردوں کو بھی دوست ہی فرماتے ہیں) میں نے کچھ پروا نہ کی کہ اتناک زندگی بچ کر وہ اسبہ میرا زمانہ مرنے کا ہے یا نہ یہ خیالی کا

رقیۃ الوداد محمد امیر اللہ علیہ السلام رامپور ۱۲۹۹ھ  
سید صاحب شرف بہار میں ہیں بکثرت عری انکی بصورت محضی ہے گیا  
میں ایک بار اسے دیکھا، جسے بھی ملے تھے ایک غریب انکے مولیٰ مظاہر  
امام صاحب نے انکی خاطر سے ایک مشاعرہ ابلا گئے محلہ میں جو انکے مضامین  
میں بصورت تفریح ہے کیا تھا اور جب کوئی بلایا تھا۔ سید صاحب نے بڑی  
توفیر فرمائی اور مجھ خاکہ نے اسناد کی آبرو بڑانے کو منقطع مشاعرہ کیا تھا  
اسمیں گیا کے تمام جدید شعر اشربک تھے۔ اس کے بعد سید صاحب  
بہر چند بار آئے مگر مجھے نہیں ملے نہ خبر دی غیب نہیں دیوان تیار ہو کر غریبوں  
کو چھپوانا تھا جانتے ہیں طبیعت نہایت سخی و نفع ہے اور رنگ سلیم اوسیں  
موجود ہے۔ صوبہ بہار میں اب بجز انکے کوئی اچھا شاعر و صاحب قلم کبابی  
نہیں ایک مطلع انکا مشہور ہے۔  
عطا بہاری سے

سہنہ نورانج کنول لالہ سحرالی کا عرس گل میں ہے شاید تری سوادنی  
مولوی نظیر حسین فریاد۔ پد صاحب بھی باشندگان بہار میں ہیں۔ نوجوان  
آدمی ہیں طبع رواں رکھتے ہیں ابتدا میں مولانا شوق نیوی شاگرد تسلیم تھے  
شاگرد تھے پھر استاد تسلیم تھے شاگرد ہوتے ہوئے ملا ۱۵۰۰ روپے مشاعرہ کے



جس میں عطا ہوئے تھے اپنی تھوڑا عرصہ ہوا خاکسار کے ایک مشاعرہ میں بھی تحریر  
ہوئے تھے۔ دماغ کے رنگ سے طبیعت ان کی ملتی جلتی ہوتی ہے۔ دوستا و سلیقہ  
نے اپنی ایک تحریر میں ان کی اصلاح کا ذکر فرمایا تھا کوئی شاعر یا دہلیس  
حسن افضل ہر بدایوں کے رہنے والے ہیں اپنے کو جناب تسلیم کا شاگرد  
کہتے ہیں

اس زمانہ میں اسی سبب سے تاریخوں کی قدر جاتی رہی کہ لوگ بے سمجھے  
بوجھے تعریف کے پل باندھ دیتے ہیں۔ ادا و ادب و القاب اور خطا بات کو تو نہ  
پہچھے ہر وقت صاحبانِ مطبع کی طرف سے بٹائی کرتا ہے۔ اوستا و  
تسلیم کا دیوان و دم جب مطبعِ بامی میں مطبوع ہوا تو بدر صاحب کو شاکر و  
رشید رحم کیا اور مجھ پر کتاب نے ایک عجیب عنایت کی۔ یوں نوصہ یا  
عطیہ کیا کہ بہت دیوان میں موجود ہیں مگر ہماری تاریخ کی اصلاح میں کوئی بات  
آپنا نہیں رکھی۔

کئی منقوط میں تاریخ اے عرش کہ زیبا آسمان نظم و یکش  
اسکی مرتب یوں کی گئی ہے کہ

کئی منقوط میں تاریخ اے عرش کہ مرتب آسمان نظم و یکش  
مرتب یعنی مرتب جو کتاب مطبع ہمارے فرار و یا ہے عقل کی سلامتی ہے اور  
اور مرتب لغوی صورت میں حسن و صحیح ہے وہ بھی اظہر من الشمس  
بدر صاحب کی اکثر نواریں عجیب رہا کرتی ہیں اور خطوط اکثر آتے ہیں  
ممنون یا وادری ہوں۔ کوئی شعر انکا یا و انہیں۔ انکے علاوہ چند غیر  
مشہور تلامذہ کی فہرست ذیل میں درج کی جا رہی۔

قدرت علیخاں قدرت۔ اہل مدح و فاضل خانہ نوجہ ارمی رامپور۔ کلام انکا خود  
تھا ہر گرد و گنگا کہ کس پایہ سے ہیں۔

## کلام قدیریت

مگر کس سے کہہ سکے ہر چو خنجر نو مزہ  
وہ غیرت خوبی اگر آجائے چین میں  
انصاف کے معنی ہیں تہی و اور محشر  
خون ہو کین کیوں سچ بھلا کی خسر و خوبی

اتم تم کے تڑپے میں سوا ظہیر چھا  
انہکت کی طرح رنگ گن غنچہ ہوا ہو  
راہت ہو تو کم ہو جو الم ہو تو سوا ہو  
اتم دو دریا در زری پا پوس خسا ہو

کیوں بیٹھے ہو سرا بنا چکا کیوں قند

وہ غیر کا دم پیر نے ہیں غم اور کو چسا ہو

افسر۔ جناب احمد حسین خان صاحب۔ اپنے کو تسلیم کا شاگرد رہا تھیں

یوحہ گر کوئی دوسرا نہوا

بجسا دنیا میں دوسرا نہوا

پہر یہ کہتے ہو چہ نہا نہوا

افسر اسکا نقش پا نہوا

میری میت پہ بیکسی کے سوا

فتنہ ہوا دار۔ ہر دو غا۔ ظالم

تھک کر سوا کیا۔ تباہ کیا

گر قید بیوس کی تہا سکتی

محمد اکبر شہر الہد عدالت دیوانی۔ حسب المد خال صیب عتیق الرحمن

کلم معادن الہد متعلقہ سوہر ہڈی۔ لالہ گزگرا شاد و شیدا۔ غلام

حضرت خالی حاذق۔ آخر الذکر شکر گرد کا کلام گال دلی میں ابجکل چیتا کی

انکے شعروں سے انکا پایہ بلند معلوم ہوتا ہے خبر میں واقعیت فن کا

کیا حال ہے۔ راضی کالج الہوہ کے پروفیسر ہیں۔

## کلام حاذق

ابہر کیوں خصویت سے فقط ذکر طور ہو

کیا اوسکو آرزو شراب طہور ہو

چارو نظریں جو لہو حق کا ظہور ہو

چونکہ شرابِ محبت میں چور ہو

گور امپور کے ایک رپورٹر نے اونکی بخا نصت ہی کی سے گزریل کے دو شعروں

کے چھکویہ مان لیتے پر مجبور کر دیا کہ یہ تسلیم کے اسچہ تلامذہ میں معلوم

موتے ہیں سے

اب تک جو رقم عمر وانکا سفر ہو ۱ رہرو کا کیا گناہ جو منسل ہی دور ہو  
ضبط الہی ہے شرط محبت و گریہ میں چنچوں کو دیکھو جو نالوں صورت ہو

والمع

تسلیم کو جو آج نہ مانے امام فن جاذب نہ او کو شعر و سخن میں شعور ہو  
مٹی خواہ شعر کی کرتا ہو وہ جسے قیصر قاضی ہو یہ مسلم بخور ہو  
۱ علامہ اعلیٰ کے ایک گرامی نامہ میں یہی علی گشتہ کا ذکر تھا اور معلوم ہوا ہے کہ  
مدرسہ اس اور والد آباد میں بھی پیر سے شرف خطاب تسلیم کے ہیں مگر خیر نہیں کیا کرتے  
میں باوجود اعلان کسی نے کچھ نہیں کہا۔ اور دستا و تسلیم کا قیوم ہم قول ہے  
کہ میں اس زمانہ میں اپنا شاگرد کو تباداں البتہ شعر سے فطرت کا دلا  
ہوں۔ راہپور کے نوشتوں سے ناک میں دم سے معلوم نہیں راہپور کے  
وہ کون سے نوشتہ ہیں جسکی صبر صاحب علی خیر لکھے کہ جھوٹے دعوے سے وہ

لوگ باز آئیں۔ محفلیں کچھ پڑھتے ہیں کہ میں فاضل اور کامل یہاں ہر جن میں  
آئینہ آتی جو جگہ شرم اس محفلیں کچھ پڑھتے ہیں کہ میں فاضل اور کامل یہاں ہر جن میں  
ان تلامذہ نامہ اور اور اہل فن کے آئے لہذا ذکر مسموع کو چراغ دکھانا ہے  
اس لیے کہ میں ان تمام حضرات میں کمتر اور حقیر ہوں اور شاگرد تسلیم سے  
جائے کلہ سستی نہیں۔ البتہ دعوائے نفس برداری ضرور ہے اور اسکی کجا  
سے اونکے غلامان سلام میں بغرض یاد و گارجیات مستحار اپنا نام ہی نہ  
کو دیتے ہوں۔ انہی فعل جانتے رقم کو ایک دفتر کی ضرورت کمتر سے  
قصیر الدین احمد عرش۔ ہمارے اجداد مصنفات صوبہ بہار کے  
والے تھے از ابتدا تا زمانہ والد مرحوم کسی نے بجز زمینداری کسی قسم کی ملازمت  
نہ کی جس سے والد ششی بندہ علی مرحوم ترک وطن کے گیا میں آئے اور  
یہاں وکیل و جج بنے۔ حیثیت کشمیر مکان۔ بنگلو۔ بدغ۔ گور۔ گارٹی

نجات قسم کے سامان امارت حاصل کیے مگر منور و وق اولیٰ کا تمام تہا  
 کربل ہو گئے اور تقریباً چھتیس سال کا زمانہ صاحب فراش رہ کر گذرا  
 یہاں تک کہ بغیر کسی کے گرد و دست بدلنا محال تھا۔ ہندوستان کے  
 ہزاروں حکیموں ڈاکٹروں کا علاج کیا کچھ کارگر نہوا۔ آخر زمانہ میں انصرا  
 اور ہر گان وین کے مزاروں سے حاجت روائی چاہی۔ اجمیر شریف  
 ولسی۔ اور دیگر مشہور مقامات میں چلے کشت رہے۔ اور انصرا اور اہل  
 ملک جس طرح ہوسکا خوب بھوکے اور اکثر کو میچھاں کیا مگر کبھی بیکار نہ کھلا آخری  
 درخواست حضرت مولانا فضل الرحمن کے حضور میں کی خود گنج مراد آباد شریف  
 تک تو جانے گئے مگر نادر خفہ کے ساتھ اکثر لوگوں کو بھیجا حضرت نے فرمایا  
 کہ میں اون کے خاتمہ بالآخر کی دعا مانگتا ہوں اور کوئی خواہش فصول سے  
 غرض اس ذریعہ سے اسرار ربانی اور حکیم خداوندی کا تہہ مل گیا۔ امداد کل  
 متوکل ہو کر بیٹھ رہے۔ اس سارے زمانہ میں لاکھوں روپیہ صرف  
 کیا اور تقریباً ایک لاکھ روپیہ علاقہ پر قرض بھی ہو گیا یہاں تک کہ  
 ہمارے رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ کو انتقال فرمایا۔ کیا محلہ دلیا کے ایک  
 خاص بارگ میں جہان عسکر کا آخری حصہ گذرا تھا اب بھی آرام فرما رہی  
 ہیں یہ تاریخ وفات ہے۔

دارہستی سے والدہ مغفورہ : چوڑ کر بائے ہکو آج گئے  
 مصرع سوال انتقال پر عرض : آہ بارگ ارم کو آج گئے  
 یہ تادم مرگ نہایت فقیر دوست اور پابند صوم و صلوات رہے۔ سخاوت  
 کی بدولت گیا و انوں میں سب سے زیادہ مشہور و ممتاز تھے۔ گورنمنٹ  
 کی نگاہ میں اور حکام تبلیغ کے آگے بڑی آبرو تھی۔ مرحوم انجن اسلامپور  
 گیا کے سکریٹری بھی تھے۔ ایک کثیر آمدنی لالہ چوڑا رحم من کھائی اور  
 ایک بہن (جس کا انتقال بنارس سے واپسی پر غلٹہ کے میں انجن سے ہو گیا)

ہوا تھا اور یہ درونک واقعہ فریخ الانجار بنارس میں درج ہو چکا ہے (۱) اوسکے  
 مالک تھے۔ بالخصوص سے بہائیوں میں نفاق ہو کر گہرا نکل مٹ گیا۔ بہاؤجنوں  
 نے تعلقہ کا تعلقہ کوڑیوں کے مول نیلام کر کے لے لیا یہاں تک کہ لوہے  
 ملازمت آئی جسے دوا در بڑے بہائی ہیں ایک مولوی امیر الدین احمد پٹنہ  
 محکمہ جی گیا۔ دوسرے مولوی نظیر الدین احمد ہڈا شور کلک ڈی۔ ٹی۔  
 ایس۔ انس گیا میسر ایہ بد قسمت جو بنارس اور مرزا پور میں امیر دار  
 سب رجسٹری رہ کر اب ریلوے میں آکر پڑا ہے۔ اور مرہب کر کے  
 طرح بسر کر رہا ہے۔ عربی فارسی کی تعلیم مولوی عبدالکریم صاحب  
 مرحوم تھا ہوشی اور مولانا محمد اسحق صاحب کے کہ ملک اور درگاہ تھے پانی  
 اور انگریزی تسلیم برائے نام ضلع اسکول گیا میں ہوئی۔ فن شاعری میں ابتدا  
 بنارس میں غزلیں بہ زمانہ قیام بنارس و غازی پور علاوہ مولانا شمشاد  
 فنی علی بھٹوی و کھلائی تھیں اوس زمانہ سے اس وقت تک متروکات رنگ  
 کا بہت بڑوں۔ ایک دیوان موسوم بہ شکر عرش دلخ کے رنگ کا مرتب  
 کیا۔ فائز بنارسی و دیگر مضمون رس شعرا کی صحبت میں وہ دیوان نامہ  
 بنوایا ہاں تک کہ ملا والا۔ دوسرے دیوان کی ابتدا تلخ و شیر کے رنگ سے  
 کی جبہ اوستا و تسلیم مذکر کی اصلاح کا شرف حاصل ہوا تو وہ رنگسہری پسند  
 نہ آیا۔ دلی والوں کے انداز بیان اور وہ انگریزی مضامین کا دلدادہ ہو گیا  
 یہاں تک کہ ایک زمانہ کے بعد دوسرا دیوان موسوم بہ اسم تاریخی نظم نو نگا  
 مرتب کیا یہ تمام کمال اوستا و تسلیم کا اصلاحی ہے۔ اسی دیوان کی  
 اوستا و تسلیم نے اپنے دیوان و دم میں درج فرمائی ہے۔

رہا اوج فکر فلک سیر عرش : سراپا ہے الہام جب کا سخن  
 کیا جمع دیوان محسن نظام : ہو اسرہ بہیم اصل زہن  
 کہی ہے تسلیم تاریخ سال : یہ دیوان ہے بے نیاز باب من

زیرِ عرش و بیکجاہ شیوایاں : ہر ایک کلامش جو اچھا زرخِ شریعت  
 کنوں داؤز تیب دیوانِ توش : چونکہ سترہ زمیں یلغ بہشت  
 پنے سال تسلیم شوریہ ہمسر : ہمسر خوب و بیل دیوانِ نوشت  
 علامہ اسکے اور آکا برن جو اس وقت زندہ آتھے مثل نفیس مہاجر ادب  
 میرا بیس مرحوم سہنا ب امیر مینائی - یاد داغ وغیرہ اور حضرت شاد  
 اور مرزا جعفر صاحب اوج یادگار دہسرو غیرہ نے تقریظیں اور تائیدیں  
 فرما کر بھیج دیں جس کا اعلان اوسے زمانہ میں کر دیا گیا - مگر اے گناہی  
 کہ دیوان ہنوز غیر مطبوع ہے اور کلام اپنا آپ پسند نہیں جب دیکھتا ہوں  
 بہتہ تباہ دنیا ہوں عرض یہ مجھ پریشان انتظارِ قدر دان میں پڑا ہوا ہے -  
 علامہ اسکے ایک ناول نرنا فرانی جو یادگار کم عمری ہے ایک دوست کی  
 ضد سے چھپ چکا ہے مجھے بالکل پسند نہیں - تیسری کتاب حیاتِ تسلیم  
 ہے لاہور میں چھپی جس پر بعض تاسخچہ و دسعر اور سدا و تسلیم نے بھیجے تھے  
 ہر چوبیس حشر میں اوسکی توفیر : زندگی میں نہ ہوئی جب تعظیم  
 و دونوں عالم میں کیساں ہم : مرگ تسلیم و حیاتِ تسلیم  
 تیسری کتاب نامکمل محنتِ محاورات اور دہیں ہے جسکے اکثر اوراق خدا  
 جا کے کہاں غائب ہو گئے - چوتھی کتاب تحقیقات فن اور بحث عروض  
 قافیہ میں ہے یہ بھی کمال نہیں ہوئی - پانچویں کتاب تاسخ اگر وہ وہی  
 ہے جس کا نام بارگاہِ سلطانی رکھا تھا اس کا حق تصنیف لیکر اپنے آپ کے  
 ایڈیٹر نے دو برس تک اپنے مطبع میں ڈال رکھا تھا اور بالآخر عدربے  
 بضاعتی نے اونکے محب کو واپس لینے پر مجبور کیا - شاید اس آب و رنگ  
 کی تاسخ ناظرین کی نگاہ سے نہیں گذری ہوگی میں نے عراقی رببری کی  
 ہے - اور دوبارہ نامہ بارہ سفر میں پیرل کو پہنچی ہے کوئی لایق اعتبار

سطح اگر نظر آیا تو اس کے حوالہ کرو لگا چھٹی کتاب اپنا میسراد یوان ہے جس میں مختلف مذاق کی غزلیں وغیرہ ہیں۔

اس کے علاوہ قومی خدمت کے لحاظ سے عرصہ تک البنج - لاہور پنچ - اووہ پنچ - عمل پنچ - نیر اکظم - پیسہ اخبار - مخزن - اردو سے ملے۔  
 و تحفہ گنہ نگار سی کی ہے اور ایک عرصہ تک اصلاح اہل وطن کے لئے بہار پنچ کی ایڈیٹری کی اس پر سنار اعلیٰ چرچا جاتا رہا۔ انجمن اخلاق نامی ایک انجمن کے سکریٹری کے فرائض بھی ادا کیے مگر یہ کوئی جساد اول وطن پر نہ چلا اور وہ باوجود علم و دولت بے مذاق کے بے ہند رہ گئے۔ صرف مجمان وطن میں جناب ہاؤنڈ کشور لعل ابھیر دے وکیل وزیر ہند اگیا نے اور خان بہادر مولوی خیرات احمد وکیل نے بلکہ وہ اس پنچ کی قدور والی کی اور ان کے علمی خیالات اخبار میں درج بھی ہوئی۔ اور اس میں سے لکھا ہے آخری زمانے میں بغرض استحقاق پڑ پڑا ایک مشاعرہ خاندان مومن کی بنیاد ڈالی ہے۔ یہ زیر انتظام عزیزی حافظ ولایت اللہ ابھیر صاحب طبیعت و درخشاں و مضحک رس واقع ہے برابر ہوا اگر تاس ہے۔  
 میں اس وقت کے نکتہ رس لوگوں میں میرے عنایت فرما رہا اور مہربانی شعی احمد علی صاحب عشرت یا وگوار غالب - عظیم بنو صاحب ہلال بناری یا وگوار غالب مگر تہی شہزادہ مرزا سلطان شکوہ صاحب جاہ و بلوی اور شہر کے نوجوان شعرا میں عزیزی شعی محبوب الدین شجر سلمہ جواب حضرت شمشاد کے شاگرد ہیں اور ناسخ ذہیر کے رنگ سے شہیدائی ہیں۔  
 شیخ الہی بخش ایچاؤ۔ کہو کہی منشعی و حید الدین ساحر شمیری وغیرہ اور  
 کلاہ یہی ایشا اچھا پوری ہیں جن کی غزلیں اکثر اردو سے ملے یوں چھٹی ہاں یہ ہمارے قدردان مولوی فوادین صاحب ملکی وکیل کے ادارہ انعام ہیں۔

نکتہ فہم رو سائیں کر مئی خواجہ حمید چان عرف پیار سے صاحب اور انکو  
چونہار صاحب زادے شہزادہ میاں وغیرہ اور باہر والوں میں نواب  
شمس العلامولوی ایداد امام صاحب اتر عظیم آبادی۔ اور شفیق عماد پوری  
وغیرہ شریک ہوا کر کے ہیں۔ ان میں عشرت اور اتر کا پایہ بہت بلند ہے  
اور میں جب قدرین اصحاب کا شکریہ ادا کروں کم ہے سر شاعرہ جو توفیر  
اس نادان حقین کی یہ اصحاب فرماتے ہیں اسکا اظہار جو ثامنہ بڑی  
بات ہے۔

ارباب وطن کی ناقدر و انہوں کا رونا ہر شخص کے ساتھ رہا ہے یار و  
غیبت اور بدگوئی کی عادت چیتے جی تو جانے سے ہی بھڑک  
وطن میں جو ہر ذوق کی چاہ کیلئے تسلیم ہو۔ صدف میں قدر نہیں آبرو کو گوبھی  
اور کیا بچوں۔ بناب تسلیم کے باکمال تلافی کے آگے اسنے شعر لکھا  
پڑھنا اور درج کرنا اپنے کو رسوا کرنا ہے اہل ملک کو ہر وقت اداس کے دیکھنے  
کا موقع ملا کرتا ہے۔

اس نطویل لاطیل بحث کو تمام کر کے اپنی اولاد کو یاد کرنا ہوں کہ محل  
اول سے ایک چونہار لڑکا جلال الدین احمد تھا کوناع مفارقت دیا اب صرف  
محل ثانی سے ایک لڑکا صغیر حسن صلاح الدین احمد باقی ہے۔ شعر و شاعری  
میں نہ میں کسی کا جانشین ہوں نہ کوئی میرا سجاوہ شمس۔ آج تک تو یہی ہے  
کل کی خیر خواہی۔ سلسلہ بیعت بواسطہ حضرت سمان شاہ صاحب  
مجلس مولانا فضل الرحمن سے ملتا ہے۔

اجاب باکمال اور اہل نظر سے عرض ہے کہ اس رسالہ میں اگر کسی جگہ  
نغزش پائیں تو اس میں عطا سے ڈھانک دیں کہ طریقہ نفوس پاک کا ہے۔  
وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ

علاہ برکات دی دلی کے سرفراز خاندان میں ہوئی۔ سید زراشتخانہ مقام سکونت ہے۔



سفر و نشان و ستاوی ملک	میں بند و ستاویں ہیں	اندرون و بیرون فکر است	غیرت نہ آسمان بزم ہیں
سفر و نشان و ستاویں	میں بند و ستاویں ہیں	میں بند و ستاویں ہیں	میں بند و ستاویں ہیں
سفر و نشان و ستاویں	میں بند و ستاویں ہیں	میں بند و ستاویں ہیں	میں بند و ستاویں ہیں
سفر و نشان و ستاویں	میں بند و ستاویں ہیں	میں بند و ستاویں ہیں	میں بند و ستاویں ہیں
سفر و نشان و ستاویں	میں بند و ستاویں ہیں	میں بند و ستاویں ہیں	میں بند و ستاویں ہیں
سفر و نشان و ستاویں	میں بند و ستاویں ہیں	میں بند و ستاویں ہیں	میں بند و ستاویں ہیں
سفر و نشان و ستاویں	میں بند و ستاویں ہیں	میں بند و ستاویں ہیں	میں بند و ستاویں ہیں
سفر و نشان و ستاویں	میں بند و ستاویں ہیں	میں بند و ستاویں ہیں	میں بند و ستاویں ہیں
سفر و نشان و ستاویں	میں بند و ستاویں ہیں	میں بند و ستاویں ہیں	میں بند و ستاویں ہیں
سفر و نشان و ستاویں	میں بند و ستاویں ہیں	میں بند و ستاویں ہیں	میں بند و ستاویں ہیں

غزلیات حضرت عرشین	خداوند
شے دل عالم و لیں سپو لا نظر آیا	اس نعل میں بہوں ایسے بکے بھرا آیا
پہرے اور ہی نقشہ جدم آبا کا پایا	اک اور ہی عالم تہ مدفن نظر آیا
ایکے چہرے کالی وہیں ہو کایاں شہم تے	پہرے ویر کو کھی دل کا جہاں دھم بھرا آیا
جی ہی تو ہے اپنا جسے چاہا اوسے چاہا	دل ہی تو ہے خیال جدم آبا دھرا آیا
اچھ رات انہیں صبح کے آتا میں ظاہر	بیدار ہوا سے عرش کے وقت سفر آیا
وہ کے دم مجھ سخت جانتو تو نے یہی کہ	واگس بھی سے اس شکل کو آساں کر دیا
جسم پر میرے جرات کی بدل دیں جوتیں	تو نے نہ جیوں کو نمک بھر کر نگہاں کر دیا
دلیں قبل کے محبت ہی اوی لاواری	جسے باغ و بہرین گل کو نمایاں کر دیا
پہرے میری شکل نہیں پس کی مشکل سے	کیسی کیسی مشکلوں کو تو نے آساں کر دیا
وہ کے الین خنداں لگاؤ کی ہو نہیں	جسے اپنے غش سے جگہ خنداں کر دیا
خوب بہریم کیا ہے کام مرا	تو خودی اب تو سے سلام مرا
کام میرا کیا ستام آنحضرت	آہ وہ عشق نامہ کام مرا
صورت شمع جل بکھا آنحضرت	دیکھ اجسام و اجسام مرا
پہرے کی شب سے او کوں لپٹا	وہ سب سے اک چہل شام مرا
طرش کیونکو قدر تھیں کر دیا	عشق شقی میں وہ ہے امام مرا

لے حضرت عرشین کے اندر راہ گنہار پناہ کام درج کتاب نہیں کیا اسلئے اس کی کو ہم پورا کیے دیتے ہیں۔ سر

## سفر کا سفر نامہ اور بعد انتقال و شاولیم

بے جگہ شام ہوئی جاتی جنگل میں آئیں۔ ہائے مل رہی تھیں۔ منزل پہ کواہ دن بھی  
لو اب تو آفتاب عالم تاب غروب ہو گیا اور سورج نورانی دامن کی برکتی  
بھی اوس کے دم کے ساتھ گئی۔ شام غریب کی تاریکی کا اثر ہر گوشہ  
آسمان سے بنایاں ہو رہا ہے۔ باد مخالف کے تیز جھونکے بزم سخن کی شمع  
کو بجھا ہی چکے تھے۔ وہ ایک طرف سے تیرہ بجی کی کالی گٹھا بھی باہی ساری  
امیدوں پر پانی پھیرنے والی مینہ کی بوتلی بھی پکے بگھسے۔ آہ چھہ غریبیاں وطن  
کو بے جگہ شام ہوئی جدھر نظر اڑا کر دیکھتا ہوں جنگل اور صحرا کا عالم لفظ  
راہ منزل کا تہ نہیں۔ کوئی خضر نہیں رہتا نہیں پھر یہ فکر کہ

منسب کہتے ہیں یلیم کو زندہ قیل ہی تک پھنسنے کی کوچے میں سنا اور کچھ سے  
آہ۔ اوستا و سلیم کی موت وہ موت نہیں ہے جس پر ایک میں اپنی عقیدت

کے آنکھوں سے آنسو بہا کر اوس کے مزار پر پھول چڑھاؤں۔ یہ زبان اُردو  
کی موت ہے جبکی پیدائش بلحاظ سخن عہد حاتم میں ہوئی تھی اور سلسلہ  
پہ سلسلہ اساتذہ سلف سے ہوتی ہوئی اوس کی عمر آپ پر تمام ہو گئی۔ یہ وہ

مزار ہے جس پر سارے اکابر فن کی آنکھیں سچے دل سے ہزاروں برس  
تک آنسو بہا کر موتیوں کے ہار ہمیشہ چڑھانی رہیں۔ جنت آرا مگاہ کے  
ایک سو تین سال کی عمر میں عہد ناسخ و انشراح سے اس وقت تک مصدق

صاحبان فن اور ہزاروں اہل کمال کو ویکس اور ستا آہستہ و سستہ کا  
آپ کے سامنے آنا۔ بلحاظ عمر و فن کو اسی طرح قدیم سے مشہور ادب و شاعری  
ہے کہ یہ ساری فضیل و زوادی اساتذہ و سلف سے اس وقت تک

آپ کی ہی ذات سے وابستہ تھیں۔ ناظرین تاج بے برس سفر کے موقع پر میں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ

اوستاد تسلیم کی آخری زیارت کا شرف حاصل کروں گا کیونکہ ان کی عداوت  
 کا اس پرانہ سالی میں سلسلہ بند ہا رہتا تھا ہاں تک کہ حضرت اوستاد کو صحت  
 بھی دی رہی اور بقصد زیارت میں اپنے اسٹاف اور اسباب کے ساتھ  
 گیا اسٹیشن پر جا کر ٹرین کا انتظار کر رہا تھا کہ دفعتاً ایک کار و طبل تسلیم  
 کا ملا جس میں مرحوم کے انتقال کی خبر تھی ایک ایسے کمر بستہ مسافر جیسا  
 کہ میں تھا اس محریر نے کہا اتر کیا ہو گا اوستاد کی شریعت کی ضرورت نہیں  
 مختصر یہ کہ جو اس بجا نہ رہے اور صورت مجروح اپنی جگہ سے ہٹنے کے کام  
 کا نہ تھا مگر انہیں اس ضابطہ پر اور اس جوش محبت جس نے اس حالت  
 میں بھی ایسی طولانی سفر میں ہستکری کی اور میں علی گڑھ کی راہ سے  
 راجپور تک پہنچا۔ علی گڑھ اسٹیشن میں ہمارے قوت بازو بہانی۔ موہنا  
 فضل الحین بی۔ اے۔ حضرت مخلص اڈیٹر اردو کے معتمد و تلمیذ شید  
 اوستاد تسلیم کو میرا انتظار تھا۔ ان سے ملنے میں نے یہ افانہ عم  
 بیان کیا جسے حکم فرحت نشان پر لباس عزم پہنا دیا۔ اور اس بھوڑی  
 دیر کی بچھالی میں بھی آسمان ستم شمار کے خوش ہونے کا موقع  
 نہ دیا۔ پھر بھی حضرت صاحب کی ملاقات نے ان کی برادرانہ محبت کا  
 پورہ پور اثبوت چھوٹا دیا اور جب تک میں راجپور روانہ نہ ہو لیا وہ پاس  
 رہے واپسی میں ٹھہرنے کا وعدہ کیا مگر اسے بخت فرصت کا وقت  
 ختم ہو گیا تھا حضرت کی حسرت ہی لیے ہوئے براہ راست واپس آیا۔  
 حضرت خوش نوا سے مفارقت کے بعد میں راجپور پہنچا اور تسلیم  
 جناب محمد اسماعیل صاحب قریب تسلیم کو اسٹیشن سے اپنے آنے کی اطلاع  
 دی انہوں نے گاڑی بھیج کر مجھ کو نہایت اخلاص کے ساتھ انیسایمہان  
 کیا۔ یہاں صاحبزادہ محمد حسین صاحب یادگار اوستاد مرحوم جسکی عسیرہ  
 تقریباً ساڑھے تین سال کی ہے شریعت رہتے تھے (کل بلغ آرزو) ان کی

ولادت کی تاریخ منشی اشرف علی صاحب مرحوم شاہ نسیم نے فرمائی تھی  
 گوان کو فن شعری سے تعلق نہیں مگر دیرینہ کرم فرماتے غایت شفقت سے  
 پریش آئے اور گلے لگایا۔ صاحبزادہ صاحب کی صورت اور سیرت بہر  
 استاد سلیم کا صاف دھوکا ہوتا ہے خدا تادیر سلامت رکھے۔ فرمائے  
 گئے کہ تو اس وقت آیا جب والد صاحب چلے گئے۔ کہنے لگے کہ ڈیڑھ مہینہ  
 قبل انتقال کے لکھنؤ آنکھوں کے نموانے کی غرض سے تشریف لائے گئے  
 تھے شتر گہرا لگا گیا اور غدا ہی ترک ہو گئی صرف پانی کے مہارے  
 پنج دن زندہ رہا۔ ۲۲ مئی ۱۹۱۷ء پانچ بجے شام گواہوں دار فانی کی  
 رحلت ہو گئے۔ (چونکہ قدرتی طور پر آفتاب عالم تاب کے عروب  
 ہونے کا وقت بھی آچکا تھا اس لیے اپنی پھر پھر سخنوری نے بھی اس وقت  
 اپنا منہ دامن ظلمت عدم سے چھلایا۔) آپ محمد تال کو پورہ خدا داد اوج  
 باغ میں مسکن پذیر ہوئے۔ پانچ کی خصوصیت میں بھی ایک نکتہ تھا۔  
 حضرت استاد والا سا ندہ نواب اصغر علی خاں نسیم بھی لکھنؤ ہی کی  
 خاک پر پاؤں پھیلانے ہوئے سو رہے ہیں۔ اور آخر زمانہ میں اشارہ  
 فرمائے تھے کہ

بند از غم و غم نہاں گشت آنکس  
 شوق پا بوسی استاد اگر ہے تسلیم : چل سوئے گل وہیں ہوئے گل عالم نسیم  
 کہہ گئے ہیں ہم خصیت جانِ تسلیم : طوب ہر نخل کر نیکی صفت گرد تسلیم  
 ہم پس گزنی قربان گلستانِ گل

افسوس کہ صاحبزادہ صاحب نے عدم مذاق کے باعث استاد  
 تسلیم کی آمد اور انتقال کا کوئی ذکر حقیقت شعرائے لکھنؤ میں نہیں کیا  
 ورنہ جن انداز کے ساتھ خدا جائے کثافتہ اجماع ہوتا۔ اہل لکھنؤ کو کمال حیرت  
 ہے کہ یہ واقعہ لکھنؤ میں کب ہوا اور کس طرح ہوا۔ خیر اب یہ رونما کیا  
 ع۔ آن قدر حقیقت و آل سانی مانند۔ دعا ہے کہ خدا مرحوم کو جوار رحمت

میں جبکہ دستہ اور صاحبزادہ صاحب جو آخری یادگار استاد ہیں جسکے بعد  
 نسل کا خاتمہ ہے اپنے مرحوم شفیع والدہ قدر پیش کو ریاست سے پایا  
 سکول۔ یہاں ضمیمہ چند باتیں اور عرض کرنا پڑی ہیں۔ استاد مرحوم کا چھ  
 سہ ماہیہ بچاوت یعنی کہ نہ چواہر یا پوری دیگر تحریکات ایک جیسے ہیں جو چھ  
 دو تین سال کے متعلق غرض کہ یہ صورت میں اس کے شاگرد مولوی عتیق الرحمن  
 کے ہوتے تھے۔ یہاں لکھا ہوا ہے صاحب کے قسطنطنیہ سفر نامہ لندن غیر مطبوع کی  
 نقل سبکی خطا امت بہت زیادہ ہے اس میں مرحوم کے انگریزی الفاظ اور  
 بڑی سمیت سے بنا ہا ہے اور کئی ہزار شعروں میں ذرا سی حالتوں کی  
 سچی تصویریں بھی ہیں۔ تذکرہ رائے کے بعد جناب قہر صاحب کے یہاں  
 پڑی کہ وہیں کہ زمانہ آخر میں احباب کی خدمت سے رموز سخن و عروض و قوافیہ  
 کی بحث میں ایک ایسا زبردست رسالہ مختلف اجزا میں تیار کر کے کی  
 کوشش فرمائی تھی جس کا جواب سلف سے اس وقت تک ممکن نہیں۔  
 اس کے چند دوسری جگہ گویا چواہر یا ہر سے حضرت قہر صاحب کے یہاں  
 میں اکثر شہنشاہ غیر مطبوع مختلف دستاویزات کے یہاں دبی اور پڑی  
 رہ گئیں۔ غرض کہ یہ محبت و عہد میاں قدرت علی خاں قدرت کے حصے  
 میں آیا جو نام کو حضرت استاد کے شاگرد تھے  
 مولوی عتیق الرحمن صاحب کلیم نے کہا کہ بھٹو جانے سے چند دن پہلے  
 اکثر حضرات نے استاد سے عرض کیا تھا کہ وہ میری آپکار و رہیت پر  
 گیا ہے تو ہنس کر یہ مطلع فرمایا۔ تسلیم  
 جوانی سے زیادہ قہر پوری جوش ہوتا تھا۔ پھر کتابے جرائع صبح جب خاموش ہوتا  
 سبحان اللہ ایک سو تین سال کی عمر میں اور یہ کلام۔ اللہ اکبر  
 حضرت قہر فرماتے تھے کہ استاد نے علاوہ تارخ بدیع کے ایک  
 مخفی حالات دربار میں ہی کتاب لکھی تھی۔ جو ریاست میں لال کتاب کے

نام سے موسوم ہے اس میں حضرت علیؓ اور ان کے قتل کا واقعہ اور طرح  
طرح سے مقلد واقعہ اس کی اطلاع ہے جس وقت نوا ابھار صاحب کی خدمت  
میں یہ کتاب پیش ہوئی۔ انکشت بادشاہ ہونے اور پھر کیا تسلیم کیا  
چاہتے ہو تو یہ کتاب تمہاری کہا کہ یہ ایک کتاب ہے۔ یہ دیکھ کر ان کے  
ہمسایہ خزانہ سب نے شکر کیا کہ یہ کتاب خاص نوا ابھار صاحب  
کے لئے نہیں بلکہ یہی وہ خود ہے۔ کہ ان میں کسی اور کے لئے نہیں

کہا جاسکتا ہے۔  
مرنے والے وہ کتاب انہی عقیدت اور بتا دی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ  
بچہ کو آج تک صاحب نسیم سے روحانی فیض بھونچا کرتا ہے ایک مرتبہ  
خواب میں دیکھا کہ وہ کسی عین کنویں سے پانی بہہ رہے ہیں اور ڈول  
استقرار کران سے کہ انہی میں آپ نے پکارا کہ نسیم تو اسکو پہنچ  
آپ نے اسکو جاکر لکھا لکھا فرماتے تھے کہ یہ کنواں اس دشوار فیض کی نسبت  
رکھتا ہے۔ اور بتا دے نسیم جناب نسیم کا یہ کمال اور دیکھ کر اسے اور تادم  
مرگ روحانی فیض طرح طرح حاصل کرتے رہے۔

آپ کے اجاب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب عبداللہ خاں مہر گلستانی  
شاہ جیت کر آئے تھے تو نسیم جنت نسیم کے یہاں اکثر تلامذہ نسیم بجا  
ہوئے جب میں منشی اشرف علی صاحب اشرف میرزا مجھوبیک عاشر  
عبداللہ خاں بھر۔ نواب محمد تقی خاں۔ حضرت نسیم وغیرہ بھی تھے۔  
نسیم نے اپنا یہ مطلع طے کیا۔

رحم آجما ہے دشمن کی پریشانی پر۔  
زخم زدہ دیتے ہیں شمشیر کی عربانی پر۔  
سنت نے بے اختیار اوڑھی اور سب کے سب جھوٹے تھے اور شاہ  
تسلیم ہی اوڑھا دیتے تھے مگر اوپر وہ جو ہوا عالم وجد نہ تھا یہ بات  
نسیم کی نگاہ میں کبھی آپ نے تسلیم سے بوجہ کہ میں تیری نظر چھٹا ہوا

جو کچھ دل میں ہو وہ کہہ۔ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ حضور کا ارشاد ہے اؤ میر  
جسٹ دلوں کا طاعت۔ مگر نسیم کا اصرار بڑھتا گیا تو آپ نے فرمایا اگر میں  
کہتا تو یوں کہتا۔ ۵

رحم آجاتا ہو دشمن کی پریشانی پر زخم خوں رونے میں شمشیر کی عریانی  
خوں رونے کے لفظ نے نسیم کو بہر کا دیا اور دعائیں دیں۔ صاحبزادہ  
صاحب نسیم کے دیکھنے والوں میں آتے ہیں سہل نسیم کو آخر زمانہ میں کیسیا  
کا بڑا شوق ہو گیا تھا شاعر ایک طرف اس سے دور رہیں گے رہتے تھے۔  
شاگرد دیکار دیکار کر واپس ہو جاتے تھے۔ آخر غم میں ایک نکاح بھی کیا تھا  
جس سے ایک شوریدہ کسر لڑکا تھا خیر نہیں کیا ہوا۔ عقاب نسیم کی نسبت  
ہتے ہیں کہ اپنی موت سے ایک ہفتہ قبل کہہ یا تھا کہ اب گلشن  
فانی سے نسیم کی رخصت سے عجیب اتفاق کہ رز مگر کہیں کوئی  
موجود نہ تھا اپنی بی بی سے کہا کہ چار عورتوں کی گواہی مقبرہ موسیٰ ایک تم ہو  
ایک نوٹھی دو عورتوں کو باہر سے اور چار چنانچہ دو درائیں آپ نے فرمایا  
کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں ایمان صادق کے ساتھ اہل بیت ہوں کل پڑھا  
اور راجی ملک بقا ہوئے۔ غرض صاحبزادہ صاحب و بریہ سال سے عجیب  
عجیب واسطے بیان کیے جتنے اندراج میں خوب طوالت ہے اور غرض اصلی سی  
دور ہو جانا پڑے گا۔ نسیم کو میں صبر صاحب کی عنایتوں کے ویر کے بعد  
موجودہ تلامذہ نسیم کی ملاقات اور کام پر روشنی ڈالنے کی کوشش نہ ہوں  
بسم اللہ الرحمن الرحیم

حاجی اسماعیل خان حیدر الخلیل پریس نسیم کو ایک سعادت مند صاحب  
مشفق و صاحب انصاف تھے اور دوست و نسیم کے ہیں خاکسار کی غایت و وجہ  
بہت نوازی کی۔ چنانچہ خاکسار نے ان کی نصرت میں رہا مگر کو جو صاحب کی بی بی  
اور یہ بھی معلوم تھا کہ یہ ایک صاحب ذوالنہاد و خادم نسیم کا ہے اس لیے اس نے

وہ جوانب کے شعر کی آمد ہوئی۔ صبح سے بارہ بجے شب تک مسعود  
 سخن کا چرچا رہتا تھا مختلف اساتذہ کے شاگردوں کے علاوہ اوسٹان  
 تسلیم کے تلامذہ کی بھی کثرت تھی اور یہ چند دن جو رامپور میں گزرے ہر جمعے  
 منبرے میں گزرے۔ لیس تسلیم کے علاوہ ہمارے دلی دوست جناب  
 قاضی تدریسین فاضل کوئٹہ ریاست جناب شمس الحق خیال لیس تسلیم وکیل  
 ریاست۔ ہمارے مخدوم مکرم جناب محمد یار خالص صاحب ناظر عدالت  
 جہاں اوستا تسلیم نے اپنی عمر کا آخری حصہ گزارا تھا۔ جناب فشی محمد اکبر شتر  
 شاکر دت تسلیم۔ جناب فشی واحد علی صاحب آپر شاکر دامیر بنیالی نائب  
 میونسپل ریاست۔ عالیجناب فیض جنرل بہادر جناب محمد شاہ خالص  
 مہر وغیرہ نے اپنے گھر طلب فرما کر دعوتیں کیں۔ اکثر نے فیاض دی۔  
 اکثر نے مجھتیں قائم کیں۔ ان سارے جلسوں میں عمائدین اور نامی  
 شعرا انشرفن فرمایا ہوتے رہے جنکا کلام اپنی جگہ پر درج ہوگا۔ غرض  
 میں اصل رامپور کا شکر یہ نہیں ادا کر سکتا کہ اوں اصحاب ہاکمال  
 نے کقدر نواز شیش اور عزت افزائیائیں۔ اور بقول حضرت جبر  
 یہ غفلت اس قدر بلند ہوا کہ اگر نواب صاحب بہادر علی بنو تے اور چیم  
 وہاں تک پہنچی ہوئی تو پہچی بھون میں پہر چلے قائم ہوئے۔ خیر یار زند  
 وصحت بانی مجھ کو بڑا افسوس یہ رہ گیا کہ میں ہوم سکر ٹری بہادر نواب  
 مصطفیٰ علی خالص صاحب تک جو میرے ویرنہہ و خانہ کرم فرما گئے اور  
 پھونچا جب وہ نہ گئے۔ صرف چیف سکر ٹری صاحب سے سلام کی  
 نوبت آئی۔ ضمت ایک امراور بھی عرض کر دینا ضرور ہے۔ متعدد وجہوں کی  
 بعد جب میرا کلام اہل نظر نے ملاحظہ کر لیا تو حضرت فانی کے یہاں ٹی  
 پارٹی کے موقع پر صاحبزادہ بخش حسین صاحب نے مجھ پر ایک جانشینی کی کہ  
 نے لیس تسلیم مہر کی طفر اتفاق فرمایا بعض نے مجھ کو منتخب کیا حضرت مہر



بہی تحریک کی کہ عرش ہمارے دہر نہ استاد بہانی ہیں یہ پگڑھی سریش کے  
 سر باندہ دی جاے۔ بعض نے کہا کہ بیشک عرش کا پایہ خدا ہے ازل و  
 ازل بلند کیا ہے۔ بعض نے یہ فرمایا کہ لا رب یہ سب صحیح ہے مگر  
 اوٹھا قیام رہا پور میں نہیں ہتا اور یہاں ایک شخص کی ضرورت ہے۔  
 اوس پر ہمارے دوست حضرت فانی وغیرہ نے یہ تحریک کی کہ عرش کا پایہ  
 کلام چونکہ بہت زیادہ بلند ہے جس کی عینی شہادت کو آجکل اخبار دہدہ بہ  
 اسکندری اور دیگر شہادت کو وہ خود اس جلسہ میں موجود ہیں اونکا  
 جانشین نہ بنایا جانا مسلم ہے اور ملک کی نگاہ میں خود ذلیل ہونا ہے ایسے  
 ہم چند اصحاب کی یہ رائے ہے کہ ممالک مشرقیہ و مغربیہ کے لئے وہ جہاں  
 تجویز کئے جائیں اون میں سے ایک جگہ مولانا عرش کو اور ایک  
 حضرت صبر کو دی جائے۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کر لیا۔ اور یہ  
 بات قرار پائی کہ کل یہ رسم بہ صدارت میجر جنرل بہادر جناب مہر شاہ  
 خاں صاحب مہراؤنی کو بھی میں ادا کر دی جائے۔ کیونکہ یہ ایک جلیل القدر  
 رئیس وہ قدر دان تسلیم ہیں۔

اسیر میں نے اپنی یہ ناچیز رائے پیش کی۔ کہ اول تو میں بغرض تعزیت  
 استاد آیا ہوں نہ بخیال جانشینی جسکا میں ازل سے بوجہ ذیل مخالف  
 ہوں۔

نبیلہ سرگرمی شاگرد کسی استاد کا جانشین ہو سکتا ہے امیر و دانش و جلال  
 کی جانشینی جسکی گئی سے ہرگز قابل تسلیم نہیں۔ اور عرض جانشینی کی یہ ہے  
 کہ جمہور کے ساتھ دیگر ملائذہ استاد ہی اوس سے اسی طرح تلفیق  
 فرمائیں کہ اگر اونکو کسی معاملہ میں شبہ ہو تو جانشین سے دریافت کریں اور اونکو  
 فتوے اور اصلاح کو عین شہادت استاد جائیں۔  
 نمبر ۲۰ دیکھنا چاہیے کہ جانشینان امیر و دانش و جلال کو ملک نے یا کم سے کم

اونکے استاد بہائیوں نے بھی جانشین تسلیم کر لیا یا آپس میں اور ایک  
 نفاق کی صورت پیدا ہو کر رہ گئی۔  
 نمبر ۱۔ آیا استاد تسلیم کی آبرو جو لگاؤ ملک میں ہوئی وہ کسی عطیہ خطاب  
 جناب تسلیم کی بدولت یا رسم دستار بندی و جانشینی کے لحاظ سے ہی  
 میرے خیال میں اُنکے مشت سخن اور اُنکے کلام نے اُنکو ممتاز کیا تھا  
 اور بہانیک کہ شاگرد اول تسلیم جناب اشرف کو جتنے مداح خود جناب  
 مرحوم تھے جو شے ہو کر گئے تھے جناب تسلیم سے پوچھتے تھے یہاں تک  
 کہ مرحوم اشرف علی صاحب کے دوادیں محض یہ ہیں سبب نہ چینیے کہ از  
 راہ مخلص برادرانہ اول کا اصرار رہا کہ تسلیم تو انکو ایک نظر دیکھ لے مگر  
 استاد کو اول تو یہ قرار نہ ہوا دوسرے خود غفلت سخن سے فرصت نہ تھی۔  
 نمبر ۲۔ اگر خواہ مخواہ کسی کے سر یہ بہاری بگڑی فنا و اثر کہ یہی وہی  
 جائے تو ہمارے بیانی چرائع خاندان مولانا حسرت صاحب کا کسا  
 خیال ہو گا۔ اور ملک کیا کہیگا کہ حسرت جس کے طرز کلام کا یہ مومن مرحوم  
 کے آب و رنگ سے تھا جتنا ہوا ہے اوسکی کسی کے جسے بھی نہ لی۔  
 ان ساری دلیلوں پر بھی اہل ملامہ و مطابق رنگ زمانہ قابل نہوتے  
 اور چند تلافیہ تسلیم نے فرمایا کہ وہ علی گڑھی انگریزی شاعر ہے اوسکا کیا  
 ذکر اس پر میں نے مولانا حسرت کے چند شعر پڑھے اور کہا کہ اگر کسی کا  
 تسلیم اس رنگ تک پہنچ گیا ہو تو وہ اپنا کلام پیش کرے کہ مجھ کو مقابل  
 کا موقع ملے۔ بلکہ کوئی مقابلہ میں نہ آیا اور جناب اشرف و دلیل تسلیم شاعران  
 حضرت تسلیم کی تحریک سے بیچر جنرل بہادر کے یہاں آخر وہ معرکہ الارا  
 صحبت قائم ہو کر رہی۔ میں نے تک اگر عقبہ صاحب سے یہ کہا کہ جب یہی  
 تو چند ادیبوں نے اخبار کی شرکت کرانے تاکہ وہ امر حق کو اپنے ایڈیٹوریل کالم  
 میں جگہ دیں وہ واقعہ اصلی ملک میں روشن ہو۔ اس سے بارے ابھوں

اتفاق کیا کہ میں نے اپنی ذاتی محبت سے ایڈیٹر صاحب و دبیر اسکندری  
 اور حضرت امامت لکھنوی - اور علامہ عصر مولانا ہدایت رسول صاحب  
 مدظلہ کو جس کی عالم میں دہوم ہے اس میں شریک کر لیا۔ نہایت افسوس  
 ہوا کہ ہمارے جدید دوست حضرت عقیل ایڈیٹر صاحب نیزنگ مجھ کو نہ ملے ورنہ  
 انکو بھی لیجیتا۔ اب سچے کہ یہ صحبت بڑی دہوم و دھام کی ہوئی۔ اسکی صدارت  
 بیخبرہ جنرل ہمارے کی۔ اس میں حضرت آبر علیہ زبیر مینائی مرزا  
 حضرت فانی - حضرت قصہر - حضرت شتر - جناب محمود شاگرد و خانہ -  
 جناب جادو یا دگا ربال - جناب بزم یادگار مسٹر مہر جویم شاعر دربار  
 رامپوریا اور پیڑے عبداللہ اور شاعر الشریف رہنے والے بیخبرہ جنرل صاحب  
 ہمارے نہایت گرم جوشی سے خاکسار کو اپنے نعل میں جگہ دی اور  
 پیرے نعل میں اوستاد تسلیم کا بیل - بیل تسلیم نغمہ زن تھا - صاحبزادہ  
 محسن حسین صاحب بھی جلوہ فرما گئے - عرض کس کس کو بھول - بیخبرہ  
 جنرل صاحب خود ہارن اور شاعر کہنہ مشق ہیں مہر مخلص ہے - ان  
 سارے شعرا کے کلام بلاغت نظام کی بوجہ نہیں ہو سکتی ہے - مگر  
 اس میں کچھ معنی خیر نہیں تو یہ کہ بیخبرہ حضرت شتر محرک حاشیہ کی  
 اور کوئی شاعر نہ تھا کہ بے زور و شور سے اسکا  
 خاص مسلمان کیا گیا تھا کہ آج جو کوئی جہاں کہیں جہاں ہو سامنے  
 آئے - مگر کسی کا نہ ہی ہو - آخر بعد اختتام صحبت کوئی ذکر حاشیہ کی کا  
 نہ آیا - اور دیکھ کہ صبر صاحب اور شتر صاحب وغیرہ میں کچھ سرگوشیاں  
 پوری ہیں جب میں نے پوچھا تو کہا گیا کہ آپ کی دلیل قوی سے سب نے  
 اتفاق کیا بیخبرہ صاحب ہمارے ہی کہا کہ عرش کی یہ راہ کیا ہے کہ ضرور  
 تھ - بیخبرہ کی آنکھوں میں جب سرمہ لگایا جائے گا - ہم تم سے پوچھتے ہیں تم سے دیکھو؟

مولانا لکھنوی کے کسی شاعر کا ایک مطلع پڑھا تو اسکی رنگ میں زانو ہوا کہ مری ہاں کے کھنکھانے لگے اور اسکی زبان سے نکلتی ہوئی آواز سن کر دل میں ہلکا ہوا۔

اعلان جانشینی نہیں ہے جسکا جو مرتبہ ہے وہ ظاہر ہو گیا۔ اب یہ بحث  
 بیکار ہے اسپر میں نے اپنے مہلک کو مبارکباد دی اور کہا کہ شکریہ  
 خدا کہ ہمارے خاندان سے یہ پڑا شوبہ بخت دور ہو گئی۔ اب ملک  
 خود فیصلہ کر دیگا۔ اسپر پھر جنرل صاحب نے حضرت صبر سے پوچھا کہ  
 کیا قصد ہے صبر صاحب نے کشمیر کی اور کہا کہ ہمارے بڑے ہائی  
 مولانا عرش ابن مومن پر آگے ہیں ہلوگوں کی یہ رائے ہے کہ اوستاد  
 کی بگڑی آپ کے سر ماندہ دی جائے۔ جنرل صاحب نے فرمایا کہ واقعی  
 یہ اس لائق ہیں۔ مگر چونکہ اس بحث کو میں ختم کر چکا تھا اور اندرونی طور  
 پر اسکے محکم حضرات نے خدا جانے کیا سمجھ کر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ خاتمہ  
 مناسب ہے اسلئے یہ مسئلہ ناتمام سارہ گیا میرے چلے آنے کے بعد  
 کیا ہوا خبر نہیں۔

اب میں اس گلشن سخن کے قتب پہونکا گلہ ستر سجا کر ملک کے  
 پیش کرتا ہوں۔ جبکہ دوران صحبت میں نے بصورت گلچیں بارغ سخن  
 سے چن چن کر اپنے دامن میں رکھ لیا تھا۔

حاجی اسماعیل خالص صاحب صبر۔ الخطاب بہ تسلیم۔ جوان طباع  
 عمر تقریباً پینتیس سال کی ہوگی ضروریات فن سے واقف۔ جمیع اقسام  
 نظم میں خسل رہتے ہیں۔ زمانہ آخریں اوستاد مرحوم کی بہت خدمت کی  
 اور لقبول اونکے بھریک مولانا ظہیر الدین حسین ظہیر دہلوی مرحوم یادگار ذوق  
 اوستاد تسلیم سے خطاب بہ تسلیم پایا۔ سعادت آپکا حصہ ہے۔ یہ دو  
 میں شعر آپکے مجھے بہت پسند آئے۔

صبح ہی میری طرح علم بسر کرتی ہے رات بھر جہنمی ہو رو کے سحر کرتی  
 و بچیاں تیری اوڑاؤ نگاہیں سے دست جو آج ہی چاک کر دامن صحیحہ انہوا  
 اس باغ چان میں صفت برک خاں ہوں لایا ہوں سوارنگ جہانم میں پسپا ہوں

محمد اکبر شہر تسلیم حضرت سلیم جوان شوخ طبع و علم تقریباً تیس سال - کہنا اور پڑھنا دونوں بہت چمکے۔ اکثر شرفیاب خدمت رہا کرتے تھے۔ استاد سے انکی بڑی بے تکلفی اور محبت تھی ایک مرتبہ دستار سے کہا کہ حضرت آپ کو دم آخر کہو نہ جانے دینکے پہلی دفن کرینے استاد نے فرمایا۔ ضرور ضرور ایسی ہو میری خود ہی آرزو ہے کہ میری قبر یہیں ہو اور وہاں میرا سالانہ عرس ہوا کرے اوس کے منمن میں مشاعرہ بھی ہوا اور چھوٹے چھوٹے بچے ہمارے مزار کے گرد پڑھتے ہوئے استعارہ پڑھا کریں۔ اس کے یہ شعر مجھے بہت مرغوب ہوئے خدا سلامت دے یہ غزل کی غزل مرصع ہے منقطع کے جواب میں کہی ہے۔ یہ وہ مضطر خیر آبادی ہیں جواب اپنے استاد امیر مینائی سے پھر گئے ہیں۔ مضطر کا یہ مطلع بھی مجھے پسینہ ہوتا۔

مضطرب

راٹائی کی لو اچھا رات پہ لو نہیں بسر کرو ۛ ہم اپنا منہ ادھر کر لیں ہم اپنا منہ ادھر کر لو

شہر

بلبل نہ اچھے سراپا پھوڑا لے ۛ گلچیں نے پہول اتبوچن جن کے توڑا لے  
مخمس من دیکھ لینا دوزخ کو بالی پالی ۛ تر دامنوں نے اوسن جسد م پھوڑا لے  
کیا کیا بتے ہیں گوہر کیا کیا بگڑ گئے ہیں ۛ گیسو نہا کے اوسنے جسد م پھوڑا لے  
کچھ انقلاب ایسا عہد شباب لایا ۛ بچپن کے عہد سے کن کن کے توڑا لے  
مٹی کے پتلے سے روز ازل سے اتیک ۛ کیا کیا نہیں بناے کیا کیا نہ توڑا لے

پہل محل عاشقی کا پایا ہی کہنے شہر  
سرسبز گروں نے دریا اس جگے توڑا

مولوی عتیق الرحمن کلیم۔ شاگرد تسلیم۔ جوان متین و سنجیدہ ہیں عمر پچھیس سال۔ استاد اعلیٰ نہایت مفضل عربی و فارسی میں کامل استاد تسلیم کے جدید تلامذہ میں استاد ممتاز کر استاد نے اپنے غیر مطبوعہ

چوتھے دیوان کی متعلق غزلیں انکو یکجا اور صاف کرنے کے لئے دی تھیں  
اور انہیں کے پاس ہنوز موجود ہیں۔ بہت خوب فرماتے ہیں ایک مطلع  
اور ایک شعر انکا یاد رہ گیا ہے۔

پس مردن بھی اس درجہ خیال ربا فی ہر  
ہماری نیستی ہستی ہمارے ساتھ ہر دم  
منشی گنگا پر شاد شیدا - عمر بائیس سال - طبیعت بہت رواں - چٹنے کا  
یہ طہنگ بہت اچھا - اوستا دیکھنے کے اوں تلامذہ میں ہیں جہاں اکثر شام کو  
پہنچ جاتا کہ بیٹھا کرتے تھے - علم مطابق ضرورت - یہ کلام ہے۔

گروہ بحر جن بال اپنے پچھلے وقت غزل : قطرہ قطرہ عین صاف سے گویا ہے  
وہ غرا باقی ہوں سانی کیا بھیر مرگ : میری ٹی سے خم بادہ بنے سناغے  
ناد کی سے ہاری یاد صبا بھی دوش پر : ہنر باغیاں حیران کی کس بھول کا زیور بنے  
مچھلی خاں کہنت شاگرد تسلیم : لہو جوان کم سخن و مہذب - عمر بائیس سال  
ہنایت متین کہتے ہیں - یہ کلام ہے - مشتق انکی جاری ہیں فیصلی شاعر مشاعر  
کہنے والے ہیں۔

مکان بار کی توجہ نہ لیت آہ کیسی ہیں  
خیال زلف میں مشکل ہوئی فریاد ہی ہو  
انہیں گویا کفن تک بھی میسر دے برادری  
مولوی منشی اچھی صاحب خیال و کیں ریاست را مپور شاگرد تسلیم - عمر  
شریف آپ کی پینتیس سال کی ہوگی - دیرنیہ تلامذہ میں ہیں مشتق بہت  
اچھی ہے - گلدستہ منتخب شعر گلاوٹھی کے ایڈیٹر تھے میرے دیرنیہ واقف  
تھے - صاحب خلق و کرم ہیں - استعداد بہت ہی زبردست رکھتے ہیں یہ کلام  
چب ترخ سے تیرے نقاب بصر کی : آنکھیں روشن ہوئیں نظر کی  
وختیں تری ہشت آل ہشتہم : زور دے کے تمام شب بصر کی

کیوں شیعہ کو تم جلا رہے ہو ؟ میہاں ہے غریب است پھر کی  
 دم پھر نہ ہو میری دوستی کا ۔ یہ آج ہو چکی کہ ہمدردی  
 حضرت فانی کے یہاں جو بی پاری کی صحبت ہوئی تھی اسی میں یہ غزل  
 حضرت خیال نے پڑھ لی تھی شیعہ والا شعر عین اسی وقت پڑھا تھا جب تک  
 محفل ہوا کے جھوٹے سے بچھڑ گئی تھی اور جلائے کی کوشش کی جاتی تھی ۔ ان  
 اصحاب کے سننے کے بعد چھک کر یہ فتوے دینا پڑا کہ ۔

شیدہ اولیٰ و صہر و شتر تہ تسلیم کے ہیں یہ چار خیر  
 اسپر لوگ پہرنگ آئے ۔ تلانہ تسلیم کا جو ذکر حیات اوستا میں کیا گیا  
 وہ ذاتی شائدہ کی نظر سے نہ تھا بلکہ دور دور کی تحقیقات اسکا ذریعہ تھی  
 شیشی حبیب صاحب حبیب شاہگر تسلیم شیشی قدرت علی خاں قلی  
 شاہگر تسلیم یہ لوگ فصلی شہر میں ہیں کوئٹہ شہر کا نہیں رہا ۔ علاوہ اسکے ہزاروں  
 شاہگر دیر غلطی کے رامپور میں موجود ہیں مگر وہی عنایتی غزلوں کے پڑھنے والے  
 جناب صادق دہلوی یا دیگر شاہزادہ جیسا مرحوم دہلوی ہی ملے تھے ۔ جیسا  
 تسلیم پر بیجا حملوں کی معافی چاہی تھی ۔ اب میں اپنے اون احباب کا  
 کلام پیش کرتا ہوں جسے ناظرین کو غایت فرحت ہوگی ۔ یہ حضرات اپنی ان  
 صحبتوں میں برابر رہا کہنے لگے کیا افسوس کہ طالب محمود یادگار و ارغ  
 کا کلام یاد نہ رہا ۔ محمود خالص صاحب محمود کا پڑھنا تو ایسا تھا کہ جناب داغ مرحوم  
 کے پڑھنے کا دھوکا ہوتا تھا ۔ خدا مغفرت کرے داغ کا ایک تذکرہ یاد

ایک صاحب فرماتے تھے کہ نواب کلب علی خاں صاحب کا بعد تھا ۔ سحر  
 تعلق ۔ اسیر ۔ اسیر منیر ۔ وغیرہ موجود تھے جب داغ صاحب نے پڑھنے کی  
 نوبت آئی تو شاعرہ گوشت اپنا اوس شاعرہ میں منیر اپنی بے مثال غزل پڑھ  
 چکے تھے ۔ مگر وہ عام ہم حریفان کہاں گئے داغ و داغ نہ تھی ۔ داغ کی داغ و داغ

مرحوم منیر پر گراں گزری مشاعرہ سے باہر اگر داغ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا  
کیوں میاں داغ کیا تباری غزل مجھ سے بھی زیادہ پڑو رہی داغ نے کہا ہرگز  
نہیں میری کیا طاقت کہ آپ کے سامنے زبان کہوں مگر حضرت قبول خاطر و  
حسن سخن خدا داد است در میان میں چند صاحب یہ گفت گو کرنے نظر آئے  
کہ بہائی غزلیں تو سب بنے پڑیں مگر جب زراغ بیا بانی نے اپنا منہ نکالا  
تو پھر سارے عندلیب اپنا نغمہ قبول لے گئے داغ کو وہ داد ملی کہ اللہ اللہ خود لیا  
بہا و لوٹ لوٹ گئے۔ داغ نے مثنوی اسماعیل حسین منیر یا فرکارنا نسخ سے کہا  
حضرت اب اس مقبولیت کو کیا کہیں۔ منیر مرحوم چپ ہو گئے۔

کلام فانی۔ جناب مولانا ذر حسین صاحب و انیل دربار راہپور۔ عشر شریف  
تقریباً پچاس سال۔ کہ جس کی شاکر و انیس ہیں صرف اوستاد تسلیم گئے  
محقق تھے۔ سارے اساتذہ سلف کے رنگ کے دلدادہ ہیں علم فاضل  
رہتے ہیں بڑے ہی بہت خوب ہیں۔ دو دیوان اردو و ادراک فارسی کے  
مصنف ہیں ہنرل ہی خوب کہتے ہیں عوام راہپور صرف انکو ہنرل گو جانتے  
ہیں مگر یہ پرانا بستہ اوسوقت کہلا جسوقت میری آپ کی ملاقات ہوئی سندھ  
انکی عمر میں بکثرت دسے صادق الوداد ہوتے ہیں۔ یہ کلام ہی۔

بتاؤ تو یہ بت کیونکر مرا طرزِ نفاں بچیر : نہ میں انکی نہ بل اس بھول شیری زبان بچیر  
سیمے میں درد پاک و دل کا چراغ آ یا : فوراً چراغ لیکر بیچارہ داغ آ یا  
وہ نہ دیکھتے بات۔ جسپر آسکے دل : اس سیم پر کیوں نہ ہو ہریش کا دل  
صبح کو چھٹھ بجا نا ز کرتی تھی صبا : شام کو اتر پڑا ہے سب ہی سماں گل  
حضرت فانی نے کیا شعر کہا ہے اللہ لوٹ لیا۔

### غنوان نہر گلی

بکھنو گو شاعری جاتی تھی دلی لڑکھی : جو ہا دوڑا کان کو رشتہ میں بلی لگی  
ہے اکھاڑ حسن کا ہندوستان اب پہلے : بکھنولی پیتی ہیں یا کہ دلی والیاں



یہ دونوں شعر مرحوم امیر مینائی کے مطلع کے جواب میں ہیں۔  
 دعوئے زبان کا لکھنؤ والوں کے سامنے : اظہارِ بے شک خواہش کے سامنے  
 کلامِ ابر۔ جناب ششی واحد علیہ صاحبِ ابرنایب میرنشی ریاست  
 شاگردِ رشید امیر مینائی۔ عمر شریف تقریباً پچھن سال۔ جمیع اقسام  
 نظم و علوم و فنون میں لائق و فائق و کامل ہیں۔ خوش خلق اپکا حصہ ہے  
 ہر رنگ میں شعر کہتے ہیں مذاقِ حال آپ کا استعداد و دستِ درگہ سبحان اللہ  
 راہِ مہر میں آپ کے کلام کے پہنچنے والے محض چند لوگ ہونے۔ یہ دو مطلع  
 یاد ہیں۔

م و بہت موت کو آرام پانکے لئے۔ بے آنکھیں بند کی ہیں نیند آنکھ کے لئے  
 لطف کنارِ مادری پر جو بلا نشانیں : آئے ہی پر کے سو گئے چین ہم فراز  
 کاظم۔ تیس حضرت حسن کا کوری۔ یہ بزرگ لغت گو ہیں عمر ساڑھے سال  
 کی ہوگی۔ ایک شعر اپکا یاد ہے۔  
 مخلوق تک رہی ہے شفیق الہم کامنہ : دیکھیں حضورِ اودر شہر سے کیا کہیں :  
 سبحان اللہ سبحان اللہ یہ نعمت شریف ہی۔

بزم یادگارِ منیر مرحوم شاعر و ربارِ راہپور۔ عمر تقریباً اڑتیس سال۔ بہت خوب  
 فرمائے ہیں اور بے العصب اور بے تکلف شاعر ہیں۔ رنگِ میر سے  
 اپکا کلام الگ ہے۔  
 ہم اپنی جان سی شے دیکے یہ صانِ یلئے : بیکیں تو غم کے بکتے ہوئے اربانِ یلئے  
 مجھ کو بڑا صدمہ ہے کہ اس شعر میں چارے ساڑھے چند نمائشیں اور متعقدہ کلمے مثلاً  
 جناب محمد بن خاں صاحبِ برق فرنگی محلِ کینوی۔ جناب ششی حافظ و لایت اللہ  
 امیر شاہجہاں پوری۔ جناب ششی مظہر حسین نور شہید و رہنمائی۔ اگر یہ لوگ در  
 توالی جلسوں کے طے اُٹھائے۔ وہ لوگ خدا ان کی عمر میں ترقی عطا فرمائے۔  
 اور کسی آئندہ سفر کی بہار دیکھنا نصیب ہو۔ اب میں اس محبت کو مرغیب و توارح

اوستاد مرحوم پر تمام کرتا ہوں۔ جو سر دست تیار ہیں اور دوران سفر میں بھی گئی ہیں تیلندی جناب ابرہہ رحمہ اللہ تعالیٰ شاہجہان پوری نے بھی اوستاد مرحوم کی تاج مرغ بہت خوب کی ہے۔

چلن بے تسلیم شاگرد تسلیم  
از سرافسوس فطرتی سال بہت خوش نصیب  
ماہ محرم تسلیم

توہ خواں آج ہی ہر مرغ گلستاں کی ہو  
گل بھی آئے ہیں نظر چاکہ بیابان کی ہو  
خاک لڑائی ہو صبا باغ ہے ویران کی ہو  
روئل سے عم میں کیوں سارے سجدان کی ہو  
رہ گئی کچھ کے واسطے گلستاں کی ہو  
کیوں غم ہو ہر اک لیے یکساں کی ہو  
پہو سے خادم و رفیق کے پر ساں کی ہو  
سبح ساں کوش کد پر ہوں گلستاں کی ہو  
اگل خستہ تہا وہ پی ہو پریشاں کی ہو  
سر سہر خاک بسرا در ہوں حیراں کی ہو  
کس طرف تو ہی چراغ موتا باں ہے کی ہو  
جز ترے کون ہمال پاتا ہا پر سیاں کی ہو  
کیوں اسے ازل ظن غریب ہونا لاں کی ہو

ہدوت تو وہ کہ کے کجبت پیدا کی ہوئی

حضرت تسلیم حنیف

زمانہ میں تہا مقنم اون کی ذرا

تھے اوستاد من اور عالی صفات

آہ اسے بلبل گلزار سخن تیرے بغیر  
تو وہ شب بزم کو کہ سنبل کی پریشانی کو  
کیوں دوں موت کو تیری میں اسے نسبت  
لود و بارہ ہوئی پھر موت تسلیم و مومن  
اک تیری ذات کی روشنی پر اک بزم کن  
مکھنوا با طرف جسے ہوا کی کو فخر  
آپ سے حضرت تسلیم ذرا چلتے وقت  
میں ہا از روز ازل عاشق و شیدا کو کمال  
ابو دیوان کا چہنبا میرے خواب پر خیال  
میرے آنے کی خبر سنکے کہاں چپ گئی آپ  
شب سے تاریک سنف طول ہی منزل شوا  
را مہر۔ آج بلا کر غصہ دماغ دیا  
کس ضرورت کو کہاں آیا۔ ہوا کیا پیش  
تہا جو منظور اہل کو کہ جدا کی ہوئی

دل تو اریح انتقال

ہوا انتقال آج تسلیم کا

ہر اک علم میں منو شنوئی کی ہیں بھی

وظائف سے ہر وقت مملو رہا  
گئے انگلیں نیو نے جو لکھنو  
ہوئے عمر کے ایک سو تین سال  
عضب بست بست منی کی بھی شام  
سن عیسوی میں کہا عرش نے

نصیحت سے خالی نہ تھی کوئی بات  
یہی بات تھی ایک وجہ مہمات  
زمانہ نظریں ہوا بے ثبات  
بنی گور کی ادنیٰ وہ پھلی رات  
نہیں غریب ہیشت کا اؤ نکا سالانہ

ولہ دیگر

انتقال حضرت تسلیم سے  
مصرع منقوط لکھد و عرش تم  
ولہ در صنعت تعمیر - از تاج خاکسار عرش  
اٹھ گئے علامہ تسلیم آج  
مستقی و شاعر و صاحب ہنر  
اؤ کور و نیکی لیے میری طرح  
سال حلت کی فکر تشویش و فکر  
از سر بزم سخن ابے عرش کہ

آہ لطف شاعری جاتا رہا  
لوچراغ بزم شعرا بچہ گپ  
از تاج خاکسار عرش  
انگوشت میں جبکہ دے لکھدا  
پاک باطن - نیک خصلت پارسا  
ابرم ہے ہر طرف چھایا ہوا  
کچھ نہیں ہے اسیں موع غوکا  
ابے لطف شاعری جاتا رہا

قطعہ تاریخ و بابت یاد گاریم مرحوم حضرت تسلیم مہنوی نور اللہ مرقہ  
یہیچہ فکر حضرت صفدر مراد پوری  
را بخود آزار دو معالی علیہ السلام

تسلیم کے فراق کا صدمہ کسے نہیں  
چادر چڑھائی پھولوں کی رو کر لہتم نے  
بچپن ہو گئے بلبلی تسلیم صبر بھی  
اؤ وہ ہے شکوہ سچ کہیں آج لٹ کی

تربت پہ آگے کون نہیں نوحہ گر ہوا  
حسرت کے ساتھ ابرسمہ چشم تر ہوا  
بٹھیا جوں کو تھام کے ٹکرے جگر ہوا  
ابھی ہے شاعری میرا ویلن گھر ہوا

تاریخ انتقال کی صفدر نے یہ بھی  
ہی، کزباں کا خاتمہ تسلیم پر ہوا

تقریباً جناب موی محمد حسن علیہ خالصہ حبیبہ مرتقدہ یارسی علی نے  
سوانح حضرت تسلیم مرحوم کا مجموعہ مرتب و دست جناب فیض الرحمن صاحب سحر موبانی  
مجھے دکھایا بنیاد عرش گیا وہی جو حضرت تسلیم کے شاگرد ہیں اس کتاب کے مولف ہیں میں نے  
سرسری نظر سے اس نسخے کو جایا سے دیکھا کتاب و جیب آواور کہیں کہیں لکھنے  
کے لطف سے بھی خالی نہیں ہے۔

ملک کو ضرور بت ہو کہ اساتذہ ابرو کے مکمل سطح مرتب ہوں اور اس لحاظ سے  
جناب عرش کی یہ کوشش کہ انہوں نے ایک کتاب و ستار کے حالات جمع فرمائے قابل تحسین ہے  
اس کتاب میں بعض خاص تلامذہ حضرت تسلیم کا کلام بھی جناب عرش نے تحریر کیا ہے اور  
اوس مقام پر جناب سحر موبانی کے اشعار لکھوئے ہیں چونکہ تعداد میں کم پہل سہلے چند  
شعر جو موصوف کے منتخبہ پسند آئے ہیں وہ درج کرنا ہوں۔

مٹ رہی ہیں دل سے یادیں و گرا عیش کی  
حسن پہ پورا کو مغرور و خود آرا کر دیا  
بڑھ گئیں ہم سے تو لگاؤ بھی بے تابیاں  
عشق سے تیرے پیر کیا کیا دلون کے مرتے  
رنگ سوئے ہیں چمکتا ہے طہداری کا  
ہو چکی اب ہم گرفتار ان وقت کو نصیب  
دلوں کو نکر و دوعالم سے کر دیا آزاد  
پیر بنائے جو پھو کو نہیں بیمار کہا ہے  
رسات کے آسہ ہی تو بندہ رہی باقی  
گر چو شیں آئندہ کی ہیں کیفیتیں یہی  
اے قصرا مار ستا کی ویرانی فرما دی  
اس درجہ و پندیر ہے اہنگ نغمہ کی  
ظلم عصیاں سے مٹا حسرت نہ مان عشق پاک

اب نظر کا ہے کو آئیں گی یہ تصویریں کثیر  
کیا کیا میں نے کہ اظہار تنب کر دیا  
ہم یہ سمجھ گئے کہ اب دل کو شک کیا کر دیا  
مہر و کو کیا نظروں کو دور یا کر دیا  
ظہر و عالم ہے تر سے حسن کی بیداری کا  
آہ وہ خوشبو کہ نمی پرورہ گیسو کے دوست  
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے  
شوق کو اور ہی دیو لوانہ بنا کہا ہے  
با دل جو نظر آئے بدلی مری نیت بھی  
میں بھول جاؤں گا کہ حرام عالم کی کیا  
کس گوشہ سعادت میں سوتا ہے میں ہر  
پہناں لباس در در میں تیری صدا کی کیا  
اور یہ کیا تھا اگر اوسکی خطا بوسنی نہ تھی

# رسالہ اردوئے معلی علی گڑھ

دیوان غالب  
از فیض الحسن حسرت موہانی بی  
اردوئے معلی علی گڑھ

کاغذ ملی سفید کمالی چھائی پسندیدہ جو ہم ہفت روزہ اردوئے معلی  
میں محصول لڑاکہ خراج و دیون سے روٹ کر لیا جاتا ہے۔ مفاد  
از فیض الحسن حسرت موہانی بیاض سفید فیض الحسن  
موہانی بیاض سفید فیض الحسن حسرت موہانی بیاض سفید  
دیوان اردوئے معلی کے ساتھ ملو فیض حسن راہ اساتذہ کرام  
وہ جس کے دو ادب سے ایک کتاب شائع ہوتا ہے رسالہ  
کی قیمت دو ادب ہے۔ سالانہ محصول ہے  
دیوان اردوئے معلی کا بیس لاکھ بیس ہزار روپے فیض اردوئے معلی  
اردو کے لیے ممبران کو دہائی نوید بن سکتا ہے۔

جسکی خوبی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ فیض حسن  
میں اس کے دو ادب سے ایک کتاب شائع ہوتا ہے  
دیوان اردوئے معلی کے ساتھ ملو فیض حسن راہ اساتذہ کرام  
وہ جس کے دو ادب سے ایک کتاب شائع ہوتا ہے رسالہ  
کی قیمت دو ادب ہے۔ سالانہ محصول ہے  
دیوان اردوئے معلی کا بیس لاکھ بیس ہزار روپے فیض اردوئے معلی  
اردو کے لیے ممبران کو دہائی نوید بن سکتا ہے۔

قیمت ایک روپے محصول لڑاکہ  
مجموعہ خرچ دیون صرف

## انتخاب اردوئے معلی

شعری سراپا سوز قافیہ جو محاذی خال آخر و شوقی اسرار  
محبت تو اب محبت خال محبت و طغیہ الشمس سید آغا  
علی شمس لکھنوی مع قصہ حالات آخر و محبت و شوق  
میر تقی میر موہانی بیاض سفید فیض الحسن حسرت موہانی بیاض سفید

یعنی اردوئے معلی کی گزشتہ پانچ سال کی دیون  
جلدوں کے بہترین مضامین انظر و شوق کا انتخاب ہے  
دیوان اردوئے معلی کے ساتھ ملو فیض حسن راہ اساتذہ کرام  
وہ جس کے دو ادب سے ایک کتاب شائع ہوتا ہے رسالہ  
کی قیمت دو ادب ہے۔ سالانہ محصول ہے

## اردوئے معلی جلد ہفتم و نوازدہم

دیوان مصطفی مرتضی حسرت موہانی  
دیوان قاسم جالندھری مرتضی حسرت موہانی  
دیوان میر سوز مع قصہ حالات آخر و محبت و شوق  
دیوان حسرت اسناد حیات  
دیوان شوق و دیو  
دیوان میر حسن صاحب شوقی  
ایک رسالہ اردوئے معلی علی گڑھ

یعنی اردوئے معلی کے ہندوہ پر جو کچھ  
ذہانت و محسوس قابل دیدہ و سوز - صورت چند ہندی  
پول جلد ہے کہ وہ درجہ انکا ملا شکل ہوگا -  
نچر رسالہ اردوئے معلی علی گڑھ  
خدا شہید



222

1915 APR 18

(2222E)

**DUE DATE**

| | |

